حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
यद9दऋइ च ४“दऱ४फ७
• برنشڈ بف کاف • فیشن اسپلٹ لیدرز • انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز • نو بک
• واٹر پروف لیدرز • گارمنٹ نپّا • شوانیڈ بوٹ اَپرز
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170,JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

دعوت

سہ روزہ
نئی دہلی
www.dawatonline.com

سنہرے اوراق

(عبدالمالک مجاہد)

اس کتاب میں روشن ماضی کے زندہ اور چمکتے دمکتے واقعات پر مشتمل ہماری سنہری تاریخ کے گمشدہ اوراق ہیں جو ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ذہن کو جلا دینے والے اور سوچنے سمجھنے پر مجبور کرنے والے یہ حیران کن مشاہدات اور سبق آموز قصے ہماری کردار سازی اور شخصیت کی تعمیر میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ☆صفحات:400 ☆قیمت -/150

Maktaba Al-Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob.9889123129/9236761926
مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

• جلد:۵۷ • شمارہ:۴۸ • ۲۵ رمئی ۲۰۰۹ء • 25 May 2009 • دوشنبہ • ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ • قیمت=/Rs.5 • سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال • Posting: 23 May 2009 Saturday

سری لنکا میں ایک عہد کا خاتمہ، دوسرا عہد کیسا ہوگا؟

پڑوسی ملک سری لنکا میں جیسا کہ حکومت نے ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ ویلوپلائی پربھاکرن کی موت اور ملک کو ایل ٹی ٹی ای اور دہشت گردی سے آزاد کرانے کا اعلان کیا ہے۔ اسے ایک عہد کا خاتمہ ہی کہا جائے گا لیکن جو عہد گزارا ہے وہ جتنا جان لیوا اور حکومت وعوام کے لئے جتنا مشکل بھرا تھا اس سے کم مشکل آگے کے حالات نہیں ہوں گے۔ حالانکہ صدر مہندر راج پکسے نے تملوں کی حفاظت اور ملک کے شمالی اور مشرقی علاقوں کے تمام شہریوں کی حفاظت اور انہیں تمام شہری حقوق فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے لیکن یہ سوال اب بھی سبھی کے لئے پریشان کن ہے کہ حکومت شمالی اور مشرقی علاقوں کے تمام شہریوں کو جن کے درمیان نفرت ودشمنی پائی جاتی ہے۔ ایک ساتھ لے کر کیسے چلے گی؟ اور کیا صرف پربھاکرن کو مار دینے یا اس کی تنظیم ایل ٹی ٹی ای کی کمر توڑ دینے سے علیحدگی پسندی کی تحریک اور تملوں میں پائے جانے والے جذبات ختم ہو جائیں گے؟ فی الحال حکومت کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ شمالی اور مشرقی علاقوں میں امن قائم کرنا اور ایل ٹی ٹی ای کے ساتھ لڑائی میں بے گھر ہوئے لاکھوں لوگوں کی باز آبادکاری ہے جو پناہ گزینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

ایل ٹی ٹی ای جتنی پرانی تنظیم ہے اس کی جڑیں بھی کافی مضبوط ہیں۔ اگرچہ اس کی قیادت ماردی گئی اور اس کے تمام قلعے یکے بعد دیگرے سری لنکائی فوج کے قبضے میں آگئے لیکن عوام میں اس کی حمایت ختم نہیں ہوئی ہے۔ سری لنکا سے لے کر ہندوستان کے ساحلی علاقوں خصوصاً تمل ناڈو میں اس تحریک کے حامی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اس لئے صرف قیادت کو مار کر یہ دعویٰ کرنا کہ تحریک پوری طرح کچل دی گئی جلد بازی ہوگی۔ اس کے علاوہ ملک کی سنہالہ اکثریت اور تمل اقلیتوں کے درمیان جو خلیج پائی جاتی ہے اس کو پاٹنا حکومت کے لئے آسان نہیں ہوگا۔

تمل اقلیتوں میں علیحدگی کے جذبات اسی وقت اُبھرنے لگے تھے جب ۱۹۵۶ء میں سری لنکائی پارلیمنٹ سنہالہ کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ تملوں نے اسے اپنے ساتھ حق تلفی اور ناانصافی سے تعبیر کیا۔ انہیں ملک کے سیاسی، تعلیمی اور روزگار کے شعبوں میں بھی ناانصافی کی شکایت تھی۔ ابتداء میں انہوں نے اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی اور غیر منظم تحریک بھی چلائی حتیٰ کہ ۱۹۷۲ء میں پربھاکرن کی صورت انہیں ایک ایسا لیڈر مل گیا جس نے اس تحریک کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ حکومت سے نبرد آزما ہو سکے بلکہ پوری دنیا کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کردی۔ ۱۹۷۲ء میں جب پربھاکرن نے جافنا میں تمل نیو ٹائیگرز (ٹی این ٹی) کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور تمل تحریک وتملوں کے حقوق کے لئے سرگرم ہوا تو اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بہت ہی کم عرصے میں اس کی تحریک حکومت سے لوہا لینے کی اہل ہو جائے گی۔ بتایا جاتا ہے کہ پربھاکرن نے ۱۹۷۵ء میں سب سے پہلے، جافنا کے میئر کو گولی مار کر سیاسی قتل کا ارتکاب کیا اور اس کے ٹھیک ایک سال بعد اپنی تنظیم ٹی این ٹی کو لبریشن ٹائیگرز آف تمل ایلم (ایل ٹی ٹی ای) میں تبدیل کر دیا اور منظم طریقے سے تحریک کو چلانا شروع کردیا۔ جیسے ہی تمل اقلیتوں کی حمایت اسے حاصل ہونے لگی اس نے ۱۹۸۳ء میں شمالی اور مشرقی علاقوں میں ایک آزاد مملکت کے قیام کے لئے مسلح جدوجہد شروع کردی پھر تو جو بھی اس کے راستے میں رکاوٹ بنا اسے اس نے مارنا شروع کردیا۔ ۱۹۸۷ء میں جب ہندوستان اور سری لنکا نے تمل علیحدگی پسندی کی تحریک ختم کرنے کے لئے ایک معاہدہ کیا اور اس وقت کے ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی ملک کی فوج تمل باغیوں کے خلاف بھیجی جس سے ناراض ہو کر ایل ٹی ٹی ای نے پہلے راجیو گاندھی کو ۱۹۹۱ء میں مار دیا پھر ان کے ساتھ معاہدہ کرنے والے سری لنکائی صدر آر پریم داسا کو ۱۹۹۳ء میں مار دیا۔ جب کہ سری لنکائی وزیر خارجہ قادر گامر کو ۲۰۰۵ء میں مار دیا۔

پربھاکرن نے سری لنکائی حکومت سے مقابلہ اور تمل ایلم یا تمل مملکت کے قیام کے لئے بہت ہی کم وقت میں ایسی طاقت جمع کردی جس کے بارے میں دنیا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایل ٹی ٹی ای کے پاس ایک موثر بحریہ تھی جو ہتھیاروں کی سپلائی کا کام کرتی تھی۔ اس کے پاس زبردست فضائی طاقت بھی تھی اور مسلح زمینی فوج بھی بھاری توپوں کے علاوہ ہلکے جنگی جہاز بھی تھے۔ اس کے کیڈر فوج کی طرح نہایت تربیت یافتہ تھے، چھاپہ مار جنگ اور خودکش حملوں میں تو انہیں مہارت حاصل تھی۔ سری لنکائی حکومت نے جب ایل ٹی ٹی ای کو سمجھا اور اس کے خلاف کارروائی شروع کی اس وقت تک وہ کافی طاقتور اور منظم ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۹۵ء میں جب حکومت نے ایل ٹی ٹی ای کو کچلنے اور شمالی ومشرقی علاقوں پر سے اس کا قبضہ ختم کرنے کا اپنا مشن شروع کیا تو مشن کو پورا ہونے میں ۹ سال لگ گئے۔ ۱۸ رمئی ۲۰۰۹ء کو پربھاکرن کی موت کے بعد ہی حکومت نے راحت کی سانس لی۔

ایسی بات نہیں ہے کہ حکومت سری لنکا اور پربھاکرن ایک دوسرے سے صرف لڑتے رہے بلکہ ۲۰۰۰ء کے بعد مسائل کے حل اور اختلافات کے خاتمہ کے لئے ناروے کی ثالثی میں امن مذاکرات بھی ہوئے جس کے نتیجہ میں ۲۰۰۲ء کے بعد مسائل کے حل اور اختلافات کے خاتمہ کے لئے ناروے کی ثالثی میں امن مذاکرات بھی ہوئے جس کے نتیجہ میں ۲۰۰۲ء میں جنگ بندی کا معاہدہ بھی ہوا تھا۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا تھا جب یہ لگ رہا تھا کہ ایل ٹی ٹی ای خودمختاری کے معاہدے کو قبول کر کے اپنی تحریک ختم کردی لیکن دونوں کی ضد سے امن کے امکانات ختم ہو گئے۔ پربھاکرن نے ۱۹۷۲ء میں ایل ٹی ٹی ای قائم کی اور اپنی موت تک اس کا سربراہ رہا۔ تقریباً ۳۰ سال سری لنکائی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فوج کی قوت کہیں زیادہ ہونے کے باوجود ایل ٹی ٹی ای نے ۲۰۰۷ء اپنے اوپر فوج کو حاوی ہونے نہیں دیا۔ اس کے بعد ہی ایل ٹی ٹی ای کا زوال شروع ہوا، اور اس کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں ایک تو اسے پوری دنیا میں دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا جس سے بیرون ملک سے اس کی آمدنی پر رول لگ گئی۔ دوسرے بیرون ملک کی حمایت حکومت سری لنکا کو حاصل ہو گئی۔ تیسرے خود ایل ٹی ٹی ای میں اختلاف پیدا ہو گیا حتیٰ کہ جب ۲۰۰۸ء میں جنگ بندی کی مدت پوری ہوتی تو اس کی مدت میں توسیع کے لئے بات چیت ناکام رہی جس کے نتیجہ میں ایل ٹی ٹی ای اور حکومت کے درمیان زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ فوج نے یکے بعد دیگرے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ ایل ٹی ٹی ای کے قلعے منہدم ہوتے گئے اور اس کے لئے زمین تنگ ہوتی گئی۔ اس نے انسانوں کو ڈھال بنا کر استعمال کیا لیکن یہ حربہ بھی ناکام رہا آخرکار فوج نے ایل ٹی ٹی ای کے تمام قلعوں پر قبضے کے اس کے لیڈر پربھاکرن کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ملک کو تملوں کی دہشت گردی سے آزاد کرانے کا اعلان کردیا۔ پربھاکرن تملوں کے لئے آزاد تمل مملکت تو نہیں بنا سکے لیکن تمل اقلیتوں کے اندر آزادی کا جذبہ ضرور پیدا کردیا جو حکومت کے لئے دردسر رہے گا اور پربھاکرن کی طرح اسے ختم کرنا اور سنہالی اور تملوں کو ایک پلیٹ فارم جمع کرنا آسان نہیں ہوگا۔ حکومت نے ایل ٹی ٹی ای کے خلاف جنگ تو جیت لی لیکن بنیادی تنازعہ اور اصل مسئلہ کو حل کرنا ابھی باقی ہے۔ (ص ن)

انصاف کے بغیر مسئلہ کا حل ناممکن ہے

تمام بین الاقوامی جماعتیں باہم دو پڑوسیوں اسرائیل اور فلسطین کے مابین امن وتحفظ کے استحکام کے لئے دو ریاستی حل کے حصول کی خواہشمند ہیں۔ یہ بات امریکی صدر بارک اوباما نے اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو سے اپنے دفتر میں تقریباً تین گھنٹہ کی ملاقات کے دوران کہی۔ حالیہ دونوں میں بین الاقوامی سطح پر فلسطینی ریاست کی حمایت کا یہ دوسرا موقع ہے۔ اس سے قبل کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ بینڈکٹ نے بیت اللحم کے ایک ریفیوجی کیمپ میں اپنے خطاب کے دوران پرزور الفاظ میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کی تھی اور اسے خطہ میں بحالی امن کے لئے ضروری قرار دیا تھا۔ کیتھولک چرچ کے سربراہ نے فلسطینیوں سے بھی ''دہشت گردی'' اور ''تشدد'' کی راہ ترک کرنے کی اپیل کی تھی۔ امریکی صدر نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اسرائیل ایک یہودی ریاست ہے فلسطینیوں سے کہا کہ انہیں تحفظ کی ضمانت کی فراہمی کے لئے ''اچھے عمل'' کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ امریکی صدر نے اس ضمن میں عرب ممالک سے بھی کہا کہ انہیں اسرائیل کے ساتھ بہتر تعلقات کی سمت پیش رفت کی خاطر ''جرأت مندی'' کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔

امریکی صدر نے نیتن یاہو سے بھی کہا کہ امن گفتگو میں پیش رفت کے لئے ضروری ہے کہ مغربی پٹی میں نو آبادیات کا سلسلہ موقوف ہو۔ اس سلسلہ میں انہوں نے امریکہ کی حمایت سے ۲۰۰۳ء میں تیار ہونے والے اس روڈ میپ کا بھی تذکرہ کیا جس میں مغربی پٹی میں نو آبادیات کے کام کو ترک کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ امریکی صدر نے کہا کہ آزاد فلسطینی ریاست کی تشکیل اسرائیل اور فلسطین دونوں کے مفاد میں ہے۔ انہوں نے ملاقات کے بعد پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم نے اسرائیل اور فلسطین کے مسئلہ پر گفتگو کا سلسلہ پھر سے شروع کرنے کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، آزاد فلسطینی ریاست دونوں کے مفاد میں ہے۔ اسرائیلی، وزیر اعظم نے آزاد فلسطینی ریاست کے سلسلہ میں امریکی صدر کی حمایت کو نظر انداز اور اس مسئلہ پر چشم پوشی برتتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ وہ فلسطینیوں کے لئے خود حکمرانی کی حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم فلسطینیوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ اپنی حکومت خود چلائیں۔ تاہم انہوں نے آزاد ریاست کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

دونوں لیڈران نے اس بات پر صد فیصد اتفاق کا اظہار کیا کہ ایران کا نیوکلیئر پروگرام خطہ کے لئے سنگین خطرہ ہے۔ امریکی صدر نے واضح الفاظ میں کہا کہ ان کی انتظامیہ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کرے گی کہ ایران نیوکلیئر اسلحے نہ تیار کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ ایران نیوکلیئر ہتھیار کے ساتھ امریکہ واسرائیل کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایران پر موثر بین الاقوامی پابندیاں عائد کرنے سے گریز نہ کرنے کی بات بھی کہی۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے کہا کہ ایران کا نیوکلیئر اسلحوں کا حصول ایک بہت بڑا خطرہ ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ خطرہ نہ صرف اسرائیل وامریکہ کے لئے ثابت ہوگا بلکہ اس صورت میں نیوکلیئر اسلحے دہشت گردوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچ جائیں گے۔

دونوں لیڈران کے بیانات کو دیکھنے سے یہ بات واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے کہ فلسطین کے معاملہ میں ان کا موقف کچھ ہے اور اس کے اصول وپیمانے جدا ہیں جب کہ ایران کے معاملہ میں ان کا موقف دیگر ہے۔ فلسطین کے مسئلہ پر ان کے بیانات اور لب ولہجہ میں بھی فرق ہے۔ ایران کے مسئلہ پر دونوں لیڈران ہم زبان وہم خیال ہیں۔ اس کے باوجود کہ ایران بارہا مختلف اسٹیج سے اس بات کی وضاحت کر چکا ہے کہ اس کا نیوکلیئر پلان پرامن مقاصد کے لئے ہے لیکن امریکہ واسرائیل اسے ماننے کے لئے تیار نہیں اور اپنے الزامات پر بضد ہیں۔ جب کہ فلسطین کے مسئلہ پر دونوں لیڈران کے مابین ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ اسرائیل کسی بھی رعایت ومصالحت سے انکار کرتا ہے تو امریکہ بھی دبی زبان میں اپنی بات کہنے میں عافیت سمجھتا ہے اور بالعموم وہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ حقیقت واقعہ کو سمجھا جائے اور مساوات وانصاف کے مطابق اقدام کیا جائے اس صورت میں امن عامہ کو استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔ (ع ک)

بلاتبصرہ

عوام نے کانگریس کے حق میں مثبت فیصلہ نہیں سنایا ہے بلکہ دراصل یہ بے سمت حزب اختلاف پر عوام غم وغصہ کا اظہار بھی ہے، کانگریس کو جس کا فائدہ پہنچا ہے۔ یو پی اے کو ٹھیک سے چلانے کا کانگریس کا ریکارڈ حوصلہ افزا نہیں رہا ہے، کانگریس نہ صرف گزشتہ جولائی تک بائیں بازو کی پارٹیوں کی یرغمال رہی بلکہ اس نے چھوٹی پارٹیوں کے دباؤ میں اپنے ہی وزراء کے ساتھ سمجھوتہ کیا ہے، اس کی مثال رام داس اور آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز یا رجن سنگھ ہیں۔

کیدار ناتھ آر ایر، ممبئی
انڈین ایکسپریس، ۱۹ رمئی ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

۱۶؍مئی کے وہ مناظر

وقت تھا صبح ۸ ربجے کا تاریخ تھی مئی کی ۱۶ راور مقام تھا ۷-ریس کورس روڈ، یعنی وزیر اعظم کی رہائش گاہ۔ ٹی وی چینلوں کی ٹیمیں اور اخباروں کے رپورٹر جمع ہو رہے تھے تاکہ ووٹوں کی گنتی کے دوران آنے والے رجحانات پر وزیر اعظم کے آفس کا ردعمل معلوم کر سکیں۔ لیکن ۱۰ رجن پتھ پر نسبتاً زیادہ بھیڑ تھی۔ یہ سونیا گاندھی کی رہائش گاہ ہے۔ یہاں بھی رپورٹروں کا مقصد وہی تھا۔ لیکن سب سے بڑا جم غفیر تھا ۳۰ رپرتھوی راج روڈ پر جو لال کرشن آڈوانی کی رہائش گاہ ہے۔ چینلوں کی گاڑیاں لگاتار آرہی تھیں۔ بی جے پی کے کارکن بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، تعداد بڑھتی ہی جارہی تھی۔ لوگوں میں بڑا جوش تھا۔ مسٹر آڈوانی بھی فارم میں تھے، چہرے پر زبردست رعونت تھی۔ کبھی کبھی کچھ بول لیتے تھے۔ رویہ ایسا تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ وزیر اعظم بن جانے والے ہیں، بس حلف برداری کی رسم باقی رہے گی۔ رپورٹر بھی شاید انہیں وزیر اعظم بنانے کے لئے ہی جمع ہوئے تھے۔ ساڑھے دس بجے تک ماحول پورے شباب پر تھا۔ لیکن اس کے بعد اچانک بھیڑ چھٹنے لگی۔ بی جے پی ہار رہی تھی۔ یہاں تک کہ دوپہر تک وہاں بالکل سناٹا چھا گیا۔ پارٹی کے کارکن بھی غائب ہو گئے۔ اس کے برعکس ۱۰ رجن پتھ پر عجب منظر تھا۔ پولیس کے لئے بھیڑ کو کنٹرول کرنا مشکل تھا۔ دراصل ۳۰ رپرتھوی راج روڈ کی بھیڑ یہاں آچکی تھی۔ کانگریس جیت رہی تھی۔ سونیا گاندھی بھی کبھی کبھی باہر آکر کچھ بول لیتیں۔ چہرے پر خوشی اور مسرت یقیناً تھی، رعونت ذرا بھی نہ تھی۔

رپورٹروں کی ستم ظریفی

لیکن میڈیا کے رپورٹروں نے صرف یہی نہیں کیا کہ مسٹر آڈوانی کو حسرت ویاس کے عالم میں ان کے حال پر چھوڑ کر چلے گئے بلکہ دوپہر بعد سے ان کا مذاق اڑانا بھی شروع کردیا۔ اس مہم کا عنوان تھا ''وزیر اعظم بننے کا خواب چکنا چور''۔ ٹی وی پر کارٹون دکھائے جانے لگے۔ فلمی گیتوں کے مکھڑے بار بار سنائے گئے ''میرا سندر سپنا بیت گیا'' اور ''سپنے ہی سپنے، کب ہوئے اپنے'' سنجیدہ مبصرین بھی چٹکیاں لینے سے نہیں چوکے۔ حتیٰ کہ وہ چینل جو بی جے پی کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور وہ رپورٹر جو اس پارٹی کے وفادار ہیں، میڈیا کے اس عام رنگ میں رنگ گئے۔ دوسرے دن کے انگریزی وہندی اخباروں کا حال بھی یہی تھا —— لیکن اگر صورتحال اس سے مختلف ہوتی، یعنی بی جے پی جیت جاتی اور کانگریس ہار جاتی تو کیا ہوتا؟ یہ کہ یہی میڈیا مسٹر آڈوانی کو دنیا کا مضبوط ترین لیڈر اور قدآور دانشور بنا کر پیش کرتا۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کے افسانے سنائے جاتے، بچپن سے لے کر اب تک کی کہانیاں تصویروں کی زبانی پیش کی جاتیں۔ چاپلوسی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے جاتے۔ جب کہ سونیا گاندھی اور منموہن سنگھ کا مذاق اڑایا جاتا، ان کے بھی کارٹون بنتے۔ سردار جی خاص نشانے پر ہوتے۔ گھروں سے کانگریسیوں کا نکلنا دوبھر ہو جاتا۔ کوئی کانگریسی لیڈر میڈیا کے سامنے نہ آتا۔

یہ میڈیا غیر متوازن ہے

آڈوانی اور بی جے پی کے دیگر لیڈروں کے علاوہ وہ لیڈر بھی میڈیا کے نشانے پر رہے جو بحرانی حالات میں وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان میں سب اوپر تھیں مایاوتی جو یوپی میں اپنی کارکردگی کی بنیاد پر خود کو مستقبل کی وزیر اعظم کی حیثیت سے پیش کر رہی تھیں۔ کمیونسٹ پارٹیوں کے نام نہاد تھرڈ فرنٹ نے بھی انہیں بانس پر چڑھا دیا تھا۔ دوسرے تھے شرد پوار جن کی خواہش تھی کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ بی جے پی کی حمایت سے وزیر اعظم بن سکیں۔ ایک نام آرہا تھا بہار کے نتیش کمار کا۔ ٹی وی چینل ان سب کو پروجیکٹ کر رہے تھے۔ نتیش کمار کا قصہ تو بڑا دلچسپ رہا۔ چوتھے دور کی پولنگ تک، جو کہ بہار میں آخر دور تھا، وہ نریندر مودی کی صورت دیکھنے کو بھی تیار نہ تھے۔ بہار سے انہیں علاحیہ دور رکھا تھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد لدھیانہ میں مودی کے ساتھ محبت یگانگت اور اتحاد کا وہ مظاہرہ کیا کہ سب ششدر رہ گئے۔ ہوا تھا یہ کہ کم سے کم دو چینل انہیں امکانی وزیر اعظم کی حیثیت سے پیش کر رہے تھے اور انہیں لگاتار بتا رہے تھے کہ غیر یقینی حالت پیدا ہونے والی ہے اور وہ بی جے پی کی حمایت سے اس منصب پر پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ہے انڈین میڈیا کا مزاج۔ توازن نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے۔ جس کی حمایت پر اتر آتا ہے، اسے آسمان پر بٹھا دیتا ہے، جس کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اسے پاتال میں پھینک دیتا ہے۔ اور میڈیا والے اپنے اس طرز عمل کو پروفیشنلزم کہتے ہیں جس کا نوٹس پریس کونسل نے کبھی نہیں لیا۔ (پ ر)

کیا شکست کی ذمہ دار ہندتو پالیسی ہے؟

بی جے پی کے رہنما جیسے جیسے انتخابی نتائج کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ شروع میں کہا گیا تھا کہ گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی اور اُترپردیش کے پیلی بھیت حلقہ سے پارٹی کے امیدوار ورون گاندھی کی اشتعال انگیزی پارلیمانی انتخابات میں پارٹی کی شکست کا سبب بنی۔ اب بی جے پی کے ایک اور لیڈر ونے کٹیار جو خود بھی امبیڈکر نگر سے ہار گئے۔ کہا ہے کہ شکست کے لئے پارٹی کے تنظیمی سکریٹریوں کو ذمہ دار ٹھہرانا چاہئے جن کا تقرر براہ راست آر ایس ایس کرتی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ پارٹی کے تمام تنظیمی رہنماؤں نے شکست کی ذمہ داری قبول کرلی لیکن کسی ایک بھی تنظیمی سکریٹری نے اس کی ذمہ داری قبول نہیں کی جب کہ تنظیم کی ذمہ داری ان ہی پر ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کسی کو بھی بی جے پی کا تنظیمی سکریٹری بنانے سے قبل اسے کم از کم چار سال تک پارٹی میں کام کرنے کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ وہ پارٹی کی ضروریات، مشکلات اور پس منظر سے واقف ہو سکے۔

دراصل آر ایس ایس ریاستی اور قومی سطح پر اپنے کارکنوں کو بی جے پی کا تنظیمی سکریٹری بناتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ پارٹی کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور اپنی پالیسی پارٹی پر تھوپتی ہے۔ اس کے باوجود ان تنظیمی سکریٹریوں کو پارٹی کی ناکامی کے لئے کبھی بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا جب کہ پہلی ذمہ داری ان ہی کی ہونی چاہئے۔ غرضیکہ ابھی تک بی جے پی کے رہنماؤں کی طرف سے شکست کے لئے جو بھی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان پر غور کیا جائے تو پارٹی کی ہندتو پالیسی ہی سوالات کے گھیرے میں آتی ہے جس پر آر ایس ایس سب سے زیادہ زور دیتی ہے اور بی جے پی کو اس کے راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان سب باتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آر ایس ایس اور بی جے پی اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں لیکن عوام ہندتو پالیسی کو بار بار مسترد کر رہے ہیں۔

ہندتو پالیسی کے سہارے پارٹی کو جتنا آگے بڑھنا چاہئے تھا اب اس کے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس پر زیادہ زور دینا تنزلی کو دعوت دینا ہوگا لیکن پھر ہر الیکشن میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ پارٹی گھوم پھر کر آخر میں اسی راستے پر چل پڑتی ہے۔ اس بار بھی لوک سبھا انتخابات سے ٹھیک پہلے پارٹی نے ہندتو کے راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا اور گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کے ہاتھوں میں اس کی کمان دے کر اسٹار کمپیئر بنا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا پارٹی کے نچلے درجہ کے رہنما جیسے ورون گاندھی بھی بغیر سوچے سمجھے الٹے سیدھے بیانات دینے لگے اور خواہ مخواہ الیکشن کے دوران ایک تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ پارٹی کو صفائی بھی پیش کرنی پڑی اور نہ چاہتے ہوئے مسٹر گاندھی کی غلط حرکتوں کا دفاع بھی کرنا پڑا جس سے عوام میں غلط پیغام گیا اور پارٹی کو اس کا نقصان اٹھانا پڑا۔ جس ہندتو کو آگے بڑھنے کا سہارا بنایا تھا وہی اسے لے ڈوبا۔ ●●

بی جے پی کی ضمانت ضبط

لکھنؤ۔ بی جے پی کے لئے سب سے زیادہ پریشان نتائج اُترپردیش میں رہے جہاں پارلیمانی انتخابات میں ۳۳ نشستوں پر پارٹی کے اُمیدواروں کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ پارٹی ۸۰ میں سے کل ۷۱ نشستوں پر لڑی تھی جن میں سے صرف دس نشستوں پر کامیاب ہوتی جب کہ ۱۱ پر دوسرے نمبر پر رہی۔ ۱۷ نشستوں پر چوتھے نمبر پر اور پانچ نشستوں پر پانچویں نمبر پر رہی۔ غازی پور، پھولپور، سلطان پور، پرتاپ گڑھ، رائے بریلی، امیٹھی، بارہ بنکی، شراوستی دھواہرا حلقوں میں تو پارٹی کے امیدواروں کو ۵۰ ہزار سے بھی کم ووٹ ملے۔ پارٹی نے جو ۹ سیٹیں حلیف پارٹیوں کے لئے چھوڑی تھی، ان میں سے راشٹریہ لوک دل کے اُمیدوار سات میں سے پانچ حلقوں میں کامیاب ہوئے جب کہ جنتا دل متحدہ کو اپنے حصے کے دونوں حلقوں میں شکست ہوئی۔

ایف بی آئی کو کلین چٹ

واشنگٹن۔ امریکی سپریم کورٹ نے ۱۱ ستمبر کے حملے کے الزام میں گرفتار کئے گئے افراد کے ساتھ مبینہ طور پر ہوئی بدسلوکی کے معاملہ میں ایف بی آئی کے ڈائریکٹر رابرٹ مولر اور سابق اٹارنی جنرل آشکرافٹ کو کلین چٹ دے دی جب کہ ایک ذیلی عدالت نے امریکہ میں مقیم پاکستانی شہری جاوید اقبال کی درخواست پر مسٹر مول اور مسٹر اشکرافٹ کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی تھی۔

ہندوپاک مشترکہ سرحدی گشت

باڑ میر۔ بارڈر سیکورٹی فورسیز اور پاکستان رینجرس نے اگلے دو ماہ کے لئے ہندوپاک بین الاقوامی سرحد پر مشترکہ گشت کے پروگرام کو قطعی شکل دے دی ہے۔ پاکستان کے کھوکھراپار میں کمانڈنٹ سطح کی ماہانہ میٹنگ میں اس پروگرام کو منظوری دی گئی۔

مایا کوڈنانی کو مشروط ضمانت

احمد آباد۔ ایک مقامی عدالت نے گجرات فسادات کے دو معاملہ نرودا پاٹیا اور نرودا گام میں قتل کے معاملے میں ریاست کی سابق وزیر ڈاکٹر مایا بین کوڈنانی اور وشو ہندو پریشد کے لیڈر ڈاکٹر جے دیپ پٹیل کو مشروط ضمانت دے دی۔

فلسطین پر امریکہ واسرائیل میں اختلاف

واشنگٹن۔ امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے یہاں اوول دفتر میں اسرائیل کے وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو کے ساتھ میٹنگ کے بعد ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ ہم نے اسرائیل اور فلسطین کے معاملے پر پھر سے بات چیت کرنے کے سلسلہ میں مذاکرات کئے۔ آزاد فلسطینی ملک کا قیام دونوں فریقوں کے حق میں ہے۔ مسٹر نیتن یاہو نے کہا وہ فلسطینیوں کے لئے خودمختاری کی حمایت کرتے ہیں لیکن آزاد فلسطینی ملک کا کوئی ذکر نہیں کیا جس سے اس سلسلہ میں امریکہ اور اسرائیل کے درمیان اختلاف کا اظہار ہوتا ہے۔

اوبامہ کی ایرانی پالیسی

واشنگٹن۔ امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے اپنے اوول دفتر میں اسرائیلی وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا کہ انہیں ایران میں آئندہ ماہ ہونے والے انتخابات کے فوراً بعد تہران کے ساتھ مذاکرات شروع ہونے کی امید ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران کو الگ تھلگ کرنے کی سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی پالیسی ناکام ثابت ہو چکی ہے اس لئے ہم کچھ مختلف نوعیت کی کوشش کر رہے ہیں۔ امریکی صدر نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ بات چیت کا عمل شروع کرنے سے پہلے وہ اعتماد کی بحالی کے لئے ایران سے کیا امید رکھتے ہیں البتہ انہوں نے تعلقات میں پیش رفت کے لئے اس سال کے آخر تک میعاد مقرر کی ہے۔

گجرات فساد کی سنگینی کو سمجھنا ضروری ہے

عبدالحنان سیوانی ندوی
جدہ، سعودی عربیہ

گجرات نسل کشی کو آٹھ سال سے زیادہ کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس نسل کشی کے بیشتر افراد ابھی قانون کی زد میں آئے ہی نہیں ہیں، کچھ پر قانون اپنا شکنجہ کس رہا ہے اور کچھ ابھی بھی قانون کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اس نسل کشی کے تمام ذمے داران کو سزا ملے گی۔ کتنوں کو ملے گی اور کتنی ملے گی یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

اس نسل کشی میں بچ جانے والے افراد کس حال میں رہ رہے ہیں اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہی لوگ انہیں ان حالات میں رہنے پر مجبور کر رہے ہیں اور اس موضوع پر حقوق انسانی سے تعلق رکھنے والے افراد بار بار ریاستی اور مرکزی حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کراتے رہتے ہیں، گجرات ہائی کورٹ کا معاوضے کے متعلق حالیہ فیصلہ کب اور کس حد تک روبہ عمل لایا جاتا ہے، یہ تو وقت ہی بتائے گا کیونکہ جن لوگوں نے ہندوستان کی ایک بڑی اقلیت کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں رچی تھیں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی لوگ اس اقلیت کو ان کے پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے انہیں معاوضہ دیں گے۔ یہ انصاف، ظلم اور فرقہ پرستی کے خلاف ایک ایسی لڑائی ہے جس میں صرف اور صرف عدالت ہے اور حقوق انسانی سے تعلق رکھنے والی تنظیمیں ہیں، یہ لڑائی کب تک چلے گی اور اس میں کون جیتے گا اور کون ہارے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن یہ تو طے ہے کہ حالات بدلیں گے اور حکومت بھی بدلے گی اور آج کا مظلوم کل کا طاقتور ہو کر ابھرے گا یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس نسل کشی نے بہت سے ایسے سوالات اپنے پیچھے چھوڑے ہیں جو مہذب سماج، معاشرہ، انسانیت اور امن کی دہائی دینے والے افراد کے منہ پر ایک طمانچہ ہے البتہ اس طمانچہ کو کون کتنی اہمیت دیتا ہے اصل موضوع یہی ہے۔

گزشتہ دنوں بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بے گناہ اور معصوم مسلمانوں کے قاتل نریندر مودی کے ساتھ نہ صرف مسکرا رہے تھے بلکہ پوری دنیا کو ایک پیغام دے رہے تھے کہ سیاست میں، ہر خون، ہر عزت اور ہر سودا جائز ہے۔

مسلمانوں نے بھی بہت ہی جلد یہ فیصلہ کر لیا کہ نتیش جی بھی سیکولر نہیں رہے، دراصل مسلمان ہر کام میں بڑے جلد باز ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کون ہمارے ساتھ ہے اور کون نہیں۔ کچھ دنوں قبل جب ملائم سنگھ یادو نے کلیان سنگھ کو اپنی پارٹی میں آنے کی دعوت دی اور مسلمانوں سے کہا کہ کلیان سنگھ نے معافی مانگ لی ہے اور اب وہ سیکولر ہو گئے ہیں تو مسلمانوں نے ایک بار پھر فیصلہ کرنے میں بڑی جلدی کی کہ اب ملائم سنگھ یادو نے بھی سیکولرزم کا لبادہ اتار پھینکا ہے۔

یہ بات ہم بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان کا دوسرا نام سیاست ہے جس نے سیاست جتنی مہارت کے ساتھ کھیلی ہندوستان میں اسی کا طوطی بولتا ہے۔ کانگریس نے کبھی نہیں کہا کہ وہ کمیونل ہے یا وہ سیکولر نہیں ہے، اس کے باوجود کانگریس کو جس وقت اور جہاں بھی جس چیز کی ضرورت پڑی اس وقت کے حساب سے اس نے سیاست کھیلی اور اب ایک بار پھر خواہ دوسری جماعتوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو وہ مرکز میں حکومت کر رہی ہے۔

کانگریس کی تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ آج مسلمانوں کو جس چیز کا خوف دلایا جا رہا ہے اور جس فرقہ پرستی کا نام لے کر مسلمانوں سے ووٹ مانگا جا رہا ہے اس فرقہ پرستی کو ابتداء سے انتہا تک پہنچانے میں کانگریس کا بہت بڑا رول رہا ہے، تو اگر نتیش کمار نے بھی ہاتھ ملا لیا تو کیا برا کیا، نتیش کمار این ڈی اے میں گزشتہ چھ سال سے بھی زیادہ عرصے سے ہیں، جس وقت گجرات جل رہا تھا وہ مرکزی حکومت کا ایک حصہ تھے جس نے گجرات کے قاتلوں کی پیٹھ تھپتھپائی تھی، نتیش کمار پھر بھی اسی حکومت میں رہے، نہ استعفیٰ دیا اور نہ ہی کسی طرح کا دباؤ ڈالا۔ وہ این ڈی اے کا حصہ بنے رہے۔ وہ گودھرا سانحہ کے وقت ریلوے وزیر تھے۔ انھوں نے ریل آتش زنی کی سازش رچنے والوں کی پردہ پوشی کی تھی اور نام نہاد کارسیوکوں کی فہرست کے سلسلے میں انھوں نے وہ سب کچھ کیا جو بی جے پی کا مقصد، مشن اور سوچ تھی۔ اور پھر بہار میں بی جے پی کی حمایت سے اور این ڈی اے کی مدد سے حکومت بنائی۔ اب وہ بہار کے وزیر اعلیٰ ہیں، تو اگر انھوں نے نریندر مودی سے ہاتھ ملا لیا یا ان کی بغل میں بیٹھ گئے تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ سیاست میں سب کچھ جائز ہے اور مودی بھی کوئی پہلی بار سامنے نہیں آئے ہیں، وہ بار بار آتے ہیں، ہر جگہ جاتے ہیں، ہر پارٹی میں جاتے ہیں، وہ چیلنج کرتے ہیں کہ ہندوستان میں کوئی ایسی جیل بنی ہی نہیں جس میں انہیں قید رکھا جائے۔ انہیں معاشرے کے ہر فرد کی حمایت حاصل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہر جگہ ان کا استقبال کرنے والے عام افراد اور میڈیا کا جم غفیر نہ ہوتا، رتن ٹاٹا بنگال چھوڑ کر صرف اور صرف گجرات ہی نہیں چلتے، جب پورے معاشرے کی صورتحال ہی کچھ یوں ہو تو پھر اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

گجرات میں نسل کشی ۲۰۰۲ء میں ہوئی تھی، اس کے بعد سے کئی الیکشن ہوئے، نریندر مودی بھی الیکشن میں کھڑے ہوئے اور جیتے، وہ ہندوستان کے بیشتر شہروں میں گئے، انہیں اس وقت رول ماڈل کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ وزیر اعظم منموہن سنگھ بھی ان سے مل چکے ہیں۔ ان کے ساتھ ہنس بھی چکے ہیں، دہشت گردی کا کیسے مقابلہ کیا جائے ان سے اس سلسلے میں مشورہ لیا جا چکا ہے اور لیا جاتا رہے گا کیونکہ گجرات ۲۰۰۲ء کا انہیں تجربہ حاصل ہے۔ سیاست میں اگر کچھ نرم یا گرم ہوتا ہے تو اسے سیاست تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ نریندر مودی کا آنا اور جانا، نتیش کمار کا ہاتھ ملانا یا ان کے بغل میں بیٹھنا یہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت اس بات کی ہے کہ گجرات نسل کشی، بابری مسجد کی شہادت اور ممبئی کا فساد اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو کس زمرے میں رکھا جائے اور یہ کہ یہ سب جرم ہیں بھی یا نہیں، کیا ایک مہذب معاشرے میں اس کی گنجائش ہے بھی یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ جس طریقے سے ہندوستان میں عموماً گجرات فساد کے مجرمین کے ساتھ ہمدردی کا رویہ اختیار کیا گیا اور جس طریقے سے مسلمانوں کو کنارے کرنے کی کوشش کی گئی یہ سب اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ بھیانک نسل کشی کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر سپریم کورٹ اپنے فرائض کو بھی قانون کی آڑ لے کر گجرات فسادات کی فائل بند کر دیتا تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں تھی جو مسلمانوں کو انصاف دلا سکے، اسے ہندوستانی قوانین کی جمہوریت کہئے یا عدالت کا غیر جانبدارانہ رویہ کہئے کہ جب مسلمان ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں اور انصاف کی امیدیں دم توڑ دیتی ہیں، اس وقت عدالت عالیہ کا فیصلہ مسلمانوں کے لئے رحمت بن کر آتا ہے۔ حیدرآباد بم دھماکوں میں پکڑے جانے والے افراد، سیمی پر عدالت کا فیصلہ اور حال ہی میں صادق شیخ کے تعلق سے کیا جانے والا معاملہ اور سپریم کورٹ کا بذات خود گجرات فسادات کے مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم یہ ثابت کرتا ہے کہ عدالتوں سے شکایات کے باوجود یہ امید ضرور ہے کہ وہ ہندوستان کو فرقہ پرستی میں جلنے کی سازش کرنے والے سیکولر اور غیر سیکولر افراد کی کوششوں کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے باوجود سیاسی پارٹیاں خواہ وہ سیکولر ہوں یا نہ ہوں اس بات کی کوشش ضرور کرتی ہیں کہ سیاست کا بہانہ بنا کر حالات کا فائدہ ضرور اٹھایا جائے۔

بابری مسجد ۱۹۹۲ء میں شہید ہوئی تھی، اس واقعے کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا اور جن لوگوں نے اس کریہہ عمل کو بروئے کار لانے کی پوری کوشش کی وہ وزارت عظمیٰ کے خواب تک دیکھنے لگے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ سیکولر اقدار کی حفاظت کا دعویٰ کرنے والی یو پی اے حکومت ۲۰۰۴ء میں بنی تو اس نے گجرات فسادات کے شکار افراد کو معاوضہ دینے کا فیصلہ کیا لیکن فسادات کے مجرمین کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے نہ تیار تھی اور نہ تیار ہے۔

بابری مسجد کی شہادت کو بھی ہم نے دیکھا، مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی کہانی بھی اخباروں اور ٹیلی ویژنوں کے ذریعے پوری دنیا میں دکھائی گئیں، لیکن بابری مسجد کے مجرمین آج بھی گھوم رہے ہیں اور اس واقعے سے متاثر ہو کر غلط قدم اٹھانے والے افراد کو اسی قانون کے رکھوالوں نے سزائیں بھی سنا دیں جو آج تک بابری مسجد اور گجرات فسادات کے مجرمین کی گردن تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔

یہ سب جانتے ہیں اور تمام سیاسی پارٹیاں جانتی ہیں کہ گجرات نسل کشی میں حصہ لینے والے افراد جمہوریت کے نام پر ایک کلنک ہیں، اس کے باوجود وہ ملک کے ہر شہر میں جاتے ہیں، تقریریں کرتے ہیں، لوگوں کو دھرم کے نام پر بھڑکاتے ہیں اور ذرائع ابلاغ اسے ہوا دیتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ معاشرے میں ایسا کیونکر ہو رہا ہے کہ موت کے سوداگروں کو نہ صرف اہمیت دی جا رہی ہے بلکہ ان سے رائے لی جاتی ہے کہ ملک کی حفاظت کیسے کی جائے اور ملک کو کیسے مضبوط بنایا جائے۔ اگر بابری مسجد کے ذمے داران اور گجرات فسادات کے مجرمین معاشرے میں بغیر کسی خوف و خطر کے گھومتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ گجرات نسل کشی اور بابری مسجد کی شہادت کو غلط نہیں مانتا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے جس کی بنا پر اس کے مجرمین کا بائیکاٹ کیا جائے۔ وزیر اعظم منموہن سنگھ نے لال کرشن آڈوانی کے متعلق جو کچھ کہا دوران الیکشن کہا، وہ سیاست کا ایک حصہ تھا، وہ سیاسی بازی گری تھی لیکن ان کی بغل میں بیٹھنا، انہیں میٹنگوں میں بلانا اور ان کے ساتھ ہنسنا اور مذاق کرنا اور پھر مالیگاؤں بم دھماکوں کے مجرمین کے متعلق انہیں آگاہ کروانے کی ہدایات جاری کرنا یہ اس بات کا غماز ہے کہ معاشرہ بابری مسجد کی شہادت میں بہ نفس نفیس شریک ہونے والے افراد کو مجرم نہیں مانتا ہے۔

جب تک معاشرے کے اندر اس بات کا احساس پیدا نہیں ہوگا کہ ملک میں اقلیتوں کے خلاف ہونے والے ظلم و تشدد، دہشت گردی سے بھی بھیانک جرم ہے اور انہیں بے یار و مددگار بنانے کی کوشش کے خلاف جب تک معاشرے کے اندر بیداری نہیں آئے گی اور جب تک معاشرہ اٹھ کھڑا نہیں ہوگا، اس طرح کے واقعات نہ صرف دہرائے جاتے رہیں گے۔ اس طرح گھوم گھوم کر کبھی عدالت کو اور کبھی قانون کو اور کبھی ظلم کے شکار افراد کو نہ صرف ڈراتے اور دھمکاتے رہیں گے بلکہ معاشرے کے دیگر افراد بھی ان کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملاتے رہیں گے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ معاشرے کا ہر فرد جس طریقے سے دہشت گردی کے خلاف یک زبان ہے اس طرح کا مظاہرہ گجرات میں ہوئی نسل کشی کے خلاف دیکھنے میں نہیں آیا، مذمت سب کرتے ہیں، یہ غلط ہوا اسے بھی اکثریت مانتی ہے، ملک کی ایک بڑی اقلیت کے خلاف ہوا اسے بھی تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن جب بات قانون نافذ کرنے کی کی جاتی ہے، جب یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ان میں شامل افراد کے خلاف کارروائی کی جائے تو پھر سب کو سانپ سونگھ جاتے ہیں۔

سارے لوگ ماحول کے خراب ہونے کے ڈر کا حوالہ دے کر معاملے کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر نریندر مودی پورے ہندوستان میں گھوم کر نہ صرف الیکشن کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً ملک کی اقلیت کے خلاف زہر افشانی بھی کرتے ہیں اور اس پر کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا تو یہ نہ صرف ایک افسوسناک عمل ہے بلکہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشرے میں رہنے والے افراد کی اکثریت نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ گجرات میں ملک کی ایک بڑی قلیت جس نے ہندوستان کی آزادی اور اس کے جمہوری اصولوں سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا ہے اور جب تک اسے ایک جرم نہیں سمجھا جائے گا اور اس کے خلاف معاشرے میں بیداری نہیں پیدا ہوگی۔ نریندر مودی اور نتیش جیسی مثال ہر روز سامنے آئے گی اور اس وقت ہم صرف دیکھ سکتے ہیں، کچھ کر نہیں سکتے۔ ●●

کہیں انتخابی نظام سے عوام کا اعتماد نہ اٹھ جائے؟

عارف عزیز بھوپال

ایک جمہوری ملک میں انتخابات کی جو اہمیت ہے، دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہندوستان کے عوام یقین، مقصد اور تربیت کی کمی کے سبب اس سے پوری طرح واقفیت نہیں، گذشتہ کئی عام انتخابات میں رائے دہندگی کے تناسب پر نظر کی جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ عوام کی ایک بڑی تعداد الیکشن میں اپنی رائے کے اظہار کو ضروری نہیں سمجھتی اور جو نہایت بے دلی کے ساتھ ووٹنگ میں حصہ لیتے ہیں ان کے سامنے بھی مختلف سیاسی جماعتوں کی کارکردگی یا پالیسی و پروگرام سے زیادہ کھوکھلی نعرہ بازی، مذہبی وابستگی اور ذات و برادری کے رشتوں کی اہمیت ہوتی ہے اس سلسلے میں خود سیاسی جماعتوں کا حال یہ ہے کہ ان کے نزدیک جمہوری روایات کی آبیاری اور رائے عامہ کی تربیت کے بجائے اقتدار کی برقراری، حکومتی سرگرمیاں یا اس کا حصول اول و آخر بن گیا ہے اس طرح ہر چیز پر سیاست کا رنگ اتنا گہرا کر دیا گیا ہے کہ سیاست کے معنی ہی اقتدار کیلئے جنگ کے ہو کر رہ گئے ہیں آج تمام سیاسی جماعتیں مختلف شکلوں میں سرمایہ اکٹھا کرتی ہیں لیکن قومی پارٹیاں اس معاملے میں سب سے آگے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ہر الیکشن پہلے والے الیکشن سے کہیں زیادہ ناجائز طریقوں کو فروغ دینے والا ثابت ہوتا ہے اور اخلاقی اعتبار سے سیاسی زندگی کو پہلے سے زیادہ پراگندہ کر دیتا ہے۔ اس مرتبہ مذکورہ صورت حال میں کمی ضرور آئی ہے لیکن در پردہ کیا ہوتا رہا یہ کسی کو معلوم نہیں۔

آج سب سے پہلی ضرورت قومی زندگی میں اخلاقیات، ضبط و نظم اور دیانت داری کے وقار کو بحال کرنے کی ہے، یہی وہ بنیادی شرط ہے جس کے بغیر صلاح و فلاح کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، مہاتما گاندھی ہمیشہ ذرائع کی پاکیزگی پر زور دیا کرتے تھے۔ وہ اچھے مقاصد کے لئے بہتر وسائل بروئے کار لانے کے قائل تھے لیکن اب دنیا بدل گئی ہے ہر اس برائی کو خوبی کا درجہ دے دیا گیا ہے جس کے ذریعہ اقتدار میں رہنے یا اس پر قبضہ کر لینے کا مقصد پورا ہوتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ دور خا پن اور ریاکاری جزو زندگی بن گئی ہے، جو لوگ ''غریبی ہٹاؤ'' یا مساوات لانے کا نعرہ لگاتے رہے ہیں وہی رہن سہن کے بلند ترین معیار کے سب سے بڑے شیدائی ہو گئے ہیں حالانکہ بڑے لوگوں کے معیار زندگی میں تبدیلی کئے بغیر غریب اور امیر کے فرق کو کم نہیں کیا جا سکتا، خواہ ترقیاتی منصوبوں کے ضمن میں جو بھی سرکاری اعداد و شمار شائع کئے جاتے رہیں، نمائش، اسراف اور تکبر کا انسداد پیداوار کی شرح میں اضافہ سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ دولت میں کوئی قباحت نہیں، برائی اس کی بیہودہ نمائش سے پیدا ہوتی ہے خاص کر ایک ایسے معاشرہ میں جس کی بڑی اکثریت کو دو وقت پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہ ہو، جب ہمارے سیاسی اور حکومتی رہنما جھونپڑیوں اور ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے درمیان عالی شان بنگلوں میں رہتے ہوں یا بس میں جگہ حاصل کرنے کے لئے دھوپ میں پگھلتے مسافروں کی قطاروں کے سامنے لاکھ کی موٹر میں سوار ہو کر گذر جاتے ہوں اور عوام بھی جانتے ہیں کہ سیاسی اقتدار کے ان بلند مقامات پر فائز ہونے سے پہلے ان میں سے بیشتر نے ایک پیسہ بھی اپنی محنت سے نہیں کمایا تھا تو اگر عوام کے دلوں میں اس نظام کے تئیں بیزاری یا اس طریقہ انتخاب کے لئے عدم دلچسپی پیدا ہو جس نے حکمرانوں کی اس کھیپ کو جنم دیا ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

یہی وہ پس منظر میں جس میں الیکشن سے عوام کی بے توجہی کے صحیح خدوخال کا جائزہ لیا جا سکتا ہے لیکن ملک کے جمہوری نظام کے لئی خطرہ کی گھنٹی سے کم نہیں جو نئے آزاد ہونے والے ملکوں میں صرف ہمارے یہاں برگ و بار لایا ہے اور آگے بھی اس کا فروغ مقصود ہے تو اس نظام کو ملک کی معاشی اور معاشرتی تبدیلی کا آلۂ کار بنانا ہوگا اور یہ تبدیلی بھی ان جمہوری طریقوں سے لانا پڑے گی جو قربانی، احتساب اور ایثار کے بغیر ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ قربانی کا مطالبہ انہی سے کیا جائے گا جن کے پاس دینے کو کچھ ہوگا نہ کہ قربانی کی دعوت بہرہ مند لوگ غیر بہرہ مند طبقوں کو دینے لگیں جیسا آج ہمارے یہاں ہو رہا ہے۔

ملک میں جمہوریت کے استحکام اور انتخابات کے تئیں عوامی دلچسپی کو بیدار کرنے کے لئے لازمی یہ ہے کہ سیاست کا رشتہ اخلاقیات سے جوڑا جائے اور معاشرہ میں فساد کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف آ رہا ہے اس لئے اس کے تزکیہ اور طہیر کا عمل بھی اوپری سطح سے شروع کیا جائے ورنہ وہ دن دور نہیں جب موجودہ سیاسی انتظام اور انتخابی نظام سے ہی عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ ●●

سیاست میں اخلاقی گراوٹ کی ذمہ داری پارٹی سسٹم پر ہے

پروفیسر علی سجاد، شاہجہانپور

ملک کے بیمار انتخابی نظام کی الیکشن کمیشن کے ذریعے ظاہری مرہم پٹی کی کوششوں کے باوجود اس کے اندر چھپی سرانڈ حالیہ لوک سبھا الیکشن کے موقع پر جس طرح کھل کر پھوٹی ہے وہ ہر کس و ناکس کی نظروں کے سامنے ہے۔ اس کا فوری مداوا نہ کیا گیا تو ملک کو اس نام نہاد جمہوریت کی موت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا جس کا ہم دنیا کی سب سے بڑی عددی جمہوریت کہہ کر ڈھنڈورا پیٹتے رہے ہیں۔

اس صورتحال کی مکمل ذمے داری ہمارے ناقص پارٹی سسٹم پر ہے جس کے لئے ہمارے ملک کے آئین میں کوئی مخصوص دفعہ نہ رکھ کر اسے بیرون آئین کی حیثیت دے دی گئی ہے اور جس کی بنا پر پارٹیوں کو بے لگام بنا کر من مانی کرنے کی آزادی دے دی گئی ہے اور سیاستداں انفرادی طور پر ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرانے لگے ہیں۔ جب دیوار کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھی جائے گی تو دیوار جہاں تک بھی اوپر جا سکے گی نہ صرف ٹیڑھی رہے گی بلکہ ایک مقام پر پہنچ کر یکا یک گر کر ملبے میں تبدیل ہو جائے گی۔ فی الحقیقت سیاست کا روح مذہب و اخلاقیات سے رشتہ توڑنا سیاست کے اصل مقصود یعنی خدمت خلق کی ہنسی اڑانا ہے۔ ہمارے سیاسی نظام کی بنیاد میں ہی وہ عنصر شامل کر دیا گیا جس نے سیاست کو صحیح یا غلط کسی بھی صورت سے دولت کمانے اور اقتدار حاصل کرنے والے ایک پیشے کی شکل دے دی۔ آج مختلف پارٹیاں اپنے لیڈروں کے ذاتی مفادات، آپسی اختلافات، کینہ اور حسد کی بنیاد پر معرکہ آرائی میں مصروف رہتے ہوئے عامۃ الناس کی فلاح و بہبود کی غرض سے بنائے جانے والے انتخابی پروگراموں کو پس پشت ڈالنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتیں کیونکہ الیکشن میں حصہ لینے والے ہر امیدوار کی نظر اقتدار کے حصول یعنی وزارت ہی نہیں وزیر اعظم کے عہدے پر لگی ہوئی ہے چنانچہ وہ عزت نفس بھی گنوانے میں کوئی شرم نہیں محسوس کرتا۔

دراصل سیاسی پارٹیوں کو مکمل چھوٹ دینے کا محرک وہ پارلیمانی کابینی نظام اور اس کے تحت بالعموم دو جماعتی تنظیم والا برطانوی روایات پر مبنی طریق کار ہے جس میں ایوان پارلیمنٹ میں صرف اکثریت حاصل کرنے والی پارٹی یا گٹھ بندھن کو ہی حکومت کرنے کا اختیار ہوتا ہے باقی پارٹیاں حزب مخالف کی حیثیت سے حکومت کی صرف تنقید کرنے اور کسی بھی ترکیب سے اسے عہدۂ اقتدار سے ہٹانے کی کوشش میں مصروف رہنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ کانگریس پارٹی نے اس نظام کو ملک کے لئے اپنانے کا فیصلہ اس وقت کیا تھا جب وہ غیر ملکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں پیش پیش رہنے والی واحد پارٹی سمجھی جاتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ آزادی کے حصول کے بعد بھی واحد پارٹی کی اس کی یہ حیثیت برقرار رہے گی اور اس طرح اقتدار اُسی کے ساتھ میں رہے گا۔ اسی واہمہ کے تحت کانگریس نے ۱۹۳۷ء میں ہی مسلم لیگ کے ساتھ آج کی طرح کا اپنایا جانے والا کوئی گٹھ بندھن نہ کر کے ملک کی تقسیم کو روکنے کا موقع گنوا دیا۔ اگر ۱۹۳۷ء میں ہی پارلیمانی نظام کی بنیاد پر اکثریتی پارٹی کی ہی وزارت بنانے کی ضد چھوڑ کر مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کی ملی جلی وزارت بن جاتی تو امکان تھا کہ پاکستان کا مطالبہ ہی سرے سے زور نہ پکڑ پاتا۔

دوسری جانب آر ایس ایس اور بی جے پی اسی پارلیمانی نظام کو ہٹلر کی طرح ملک پر ڈکٹیٹر شپ تھوپنے والی سیڑھی کے طور پر استعمال کرنے والی حکمت عملی پر گامزن ہیں۔ سچائی صرف اس صورتحال میں ہے کہ بھارت جیسے وسیع و عریض ملک میں علاقائی، نسلی، لسانی، قبائلی اور مذہبی رسوم و رہن سہن کے مختلف النوع طور طریقوں، کلی بنیاد پر الگ الگ گروپوں کا اپنی تہذیبی حفاظت و ترقی نیز عروج کے لئے آرزومند و متمنی ہونا فطرت انسانی کی بنیادی خصوصیات میں داخل ہے اس لئے آج ملک میں پارٹیوں کی تعداد میں اضافہ کو جمہوریت کی شناخت کے طور پر دیکھا جانا چاہئے نہ کہ ملک میں ٹوٹ پھوٹ کا سبب۔

۶۲ سال کے تجربے نے ملک میں صرف ایک ہی پارٹی یا دو پارٹیوں والے اس نظام کو جس میں ایک پارٹی اکثریت کی بنیاد پر کابینہ کی تشکیل کرے اور دوسری حزب مخالف کا کردار نبھائے ناکام ثابت کر دیا ہے۔ اس میں

باقی صفحہ ۷ پر

نعمتِ قرآن اور ہم

محمد سیف اللہ، کوٹہ (راجستھان)

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا جو سارے انسانوں کے لئے سرتاسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ (سورۃ البقرہ: ۱۸۵) تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے''۔ (سورۃ المائدہ: ۱۵۔۱۶)

مزید ارشاد ربانی ہے: ''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبیؐ! کہو کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی۔ اسی پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہئے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ سمیٹ رہے ہیں''۔

(سورہ یونس: ۵۷۔۵۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''ہم نے اس قرآن پاک کو نصیحت و یاددہانی کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔ (سورۃ القمر: ۴۰)

ایک جگہ فرمایا: ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ!) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں''۔ (سورہ ص: ۲۹)

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور سکھائے''۔ (بخاری) ایک دوسری جگہ فرمایا: ''قرآن والو! قرآن مجید کا تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت رات و دن اس طرح کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ قرآن کریم کی اشاعت کرو، اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معنی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ اور بے مثل نعمت ہے۔ اس کی رحمتوں میں سے سب سے بڑی رحمت ہے''۔ یہ انسان کے لئے عدل و قسط کی میزان ہے۔ یہی قرآن روشنی ہے، نسخۂ شفا ہے۔ نعمت جتنی قیمتی اور عظیم ہوتی ہے اس کا حق ادا کرنے کی ذمے داری بھی اتنی ہی زبردست ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب قرآن مجید سب سے بڑی رحمت اور برکت والی ہے۔ اس لئے یہ اپنے دامن میں ذمے داریوں کی ایک پوری دنیا رکھتی ہے۔ یہ ذمے داریاں اس حوالے سے ہیں کہ یہ کتاب زندگی کے اصل مقصد اور زندگی کو کامیاب اور با مراد بنانے کے لئے صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ کتاب انسان کے ظاہری سے باطنی تک اور انفرادی سے اجتماعی تک کے ہر ایک مرض کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ اندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لئے چراغ روشن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم الشان نعمت قرآن مجید دو بڑی ذمے داریاں ہمارے اوپر ڈالتی ہے: ایک یہ کہ ہم اس کو پڑھیں، سمجھیں، غور و فکر کریں اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ اپنی زندگی کا پورا سفر اس کی روشنی میں طے کریں۔ اس کے نسخۂ شفا کو اپنی ہر ایک بیماری کے علاج کیلئے استعمال کریں۔ اپنے دل کو، اپنی سوچ کو، اپنے فکر و عمل کو اور سیرت و کردار کو غرض یہ کہ اپنی ہر ایک چیز کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں لگ جائیں۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کریم پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے صرف ہمارے لئے ہی نہیں ہے۔ اس لئے اس ہدایت کو دنیا کے تمام انسانوں تک پہنچائیں۔ پوری انسانیت کو اس کی راہ پر چلنے کی دعوت دیں۔ اندھیروں میں روشنی پھیلائیں اور بیماروں تک اس نسخۂ شفا کو پہنچائیں۔ یہ دوسری ذمہ داری پہلی ذمہ داری ہی کا لازمی تقاضا ہے اور اس کا ایک ضروری حصہ ہے۔ دوسرا کام کئے بغیر پہلا کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہدایت نامہ جو کہ پوری انسانیت کے لئے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ بیماروں کا یہ حق ہے کہ جس کے پاس دوا ہو وہ ان تک پہنچائے۔ اگر ہم دوسروں کو قرآن پاک کی راہ پر چلانے کی کوشش اور محنت نہیں کریں گے تو ہمارا بھی قرآن حکیم کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا ناقص اور نامکمل رہے گا۔ اس طرح ہم خود اپنی منزل بھی کھوٹی کر لیں گے۔ ●●

دعوت

۲۵ مئی ۲۰۰۹ء

مسلمانوں کی نمائندگی

ادھر ایک عرصہ سے اقتدار میں مسلمانوں کی بھرپور شرکت اور مناسب حصہ داری کی بات خود مسلمانوں کی جانب سے بھی اٹھائی جاتی رہی ہے اور مختلف سیاسی جماعتوں کی طرف سے بھی مسلمانوں کے اس احساس کو اہمیت دی گئی ہے، ہرچند کہ بعض سیاسی جماعتیں اپنی عادت اور ایک سوچی سمجھی پالیسی کے تحت اس پر مسلمانوں کی ناز برداری کی پھبتی کستی رہی ہیں اور اس طرز فکر وعمل کو سماج کو بانٹنے والا رویہ قرار دیتی رہی ہیں تاہم ان تمام سیاسی جماعتوں نے جو مذہبی رواداری پر یقینی رکھتی ہیں، اقتدار میں مسلمانوں کی بھرپور شرکت اور مناسب حصہ داری کو یقینی بنانے سے نہ صرف اتفاق کیا ہے بلکہ اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ وہ اس کو روبہ عمل لائیں گی، یہاں تک کہ اس سیاسی طائفے کو بھی ایک مرحلے میں آکر اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو اپنے دل کی گہرائیوں سے اس خیال کا مخالف ہے۔ لہٰذا سیاسی جماعت نے مسلمانوں کو بھی ٹکٹ دئے ہیں، پہلے بھی وہ مسلمان امیدوار کھڑا کرتی رہی ہیں۔ لیکن اس بار بہ طور خاص انہوں نے اس کا خیال رکھا تھا۔ اس لئے کہ مسلمانوں میں یہ احساس بڑھتا جارہا ہے کہ سیاسی جماعتیں ان کو نظر انداز کرتی چلی جارہی ہیں۔ انہیں ان کے ووٹوں کی ضرورت تو ہے مگر ان کے مسائل کو حل کرنے سے دلچسپی نہیں ہے۔ ایک دور وہ تھا جب مسلمانوں کو کانگریس کا ہمنوا خیال کیا جاتا تھا اور کانگریس بھی یہ سمجھتی تھی کہ مسلمان اس کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس کا ووٹ بینک سمجھا جانے لگا۔ لیکن کانگریس کی پالیسیوں سے ان میں بیزاری پیدا ہونے لگی جس کا فائدہ بعض دوسری پارٹیوں نے اٹھایا، بنگال میں کمیونسٹوں نے بہار میں لالو یادو نے اتر پردیش میں ملائم سنگھ اور مایاوتی نے جنوب میں یہی کوشش تیلگو دیشم نے کی۔ مگر یہ حکمت عملی کارگر ثابت اس لئے نہیں ہوئی کیونکہ مسلمانوں کی صورت حال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک رجحان یہ پیدا ہوا کہ انہیں اپنی پارٹی بنانی چاہئے۔ اس بار بھی کئی جگہوں پر اس کا تجربہ کیا گیا۔

جہاں تک اقتدار کے ایوانوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا سوال ہے تو آزادی کے ساٹھ برس گزر جانے کے بعد بھی آبادی کے لحاظ سے ان کے نمائندے مجالس قانون ساز میں منتخب ہوکر نہیں پہنچ سکے، نہ مرکز میں اور نہ ریاستی اسمبلیوں میں، اس بار بھی صورت حال یہی ہے بلکہ ۲۰۰۴ء کے مقابلہ میں اس بار کی صورت حال زیادہ خراب ہے۔ ۲۰۰۴ء میں لوک سبھا کے لئے مجموعی طور پر ۳۶ مسلمان امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ لیکن اس بار ان کی تعداد صرف ۲۹ ہے اور بعض ریاستوں سے تو کوئی نمائندگی ہی نہیں ہے۔ سرکاری طور پر ملک کی آبادی میں مسلمانوں کا حصہ ۱۳٫۴ فیصد ہے اور وہ ایک اقلیتی گروہ ہے جو ایک مغالطہ ہے۔ فی الحقیقت ہندوستان میں اگر کوئی مذہبی گروہ عددی قوت کے لحاظ سے نمبر ایک پر ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ لیکن آبادی میں ان کا تناسب ۱۳٫۴ فیصد بتایا جاتا ہے اگر اس کو بھی مان لیا جائے تو لوک سبھا میں ان کے نمائندوں کی تعداد ۷۰ سے زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ مگر ہے صرف ۲۹، آبادی کے حساب سے ملک کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش میں ان کی آبادی کا تناسب اٹھارہ فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ یہاں لوک سبھا کی کل ۸۰ نشستیں ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہونی چاہئے تھی مگر یہاں سے صرف سات مسلمان اُمیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ مغربی بنگال میں مسلمان آبادی کا تناسب اٹھائیں فیصد ہے اور کل نشستیں ۴۲ ہیں لیکن صرف چھ مسلمان کامیاب ہوئے ہیں۔ جب کہ کم از کم پندرہ امیدواروں کو کامیاب ہونا چاہئے تھا۔ کیرل میں بھی کم وبیش یہی تناسب ہے لیکن وہاں سے صرف تین مسلمان اُمیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ اس بار دلچسپ بات یہ ہوئی کہ راشٹریہ جنتادل اور سماج وادی پارٹی کے ٹکٹ پر ایک بھی مسلم امیدوار کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ انیس سواسی میں سب سے زیادہ مسلمان امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ اس وقت لوک سبھا میں ان کے اڑتالیس نمائندے تھے لیکن اس کے بعد سے یہ تعداد مسلسل کم ہوتی چلی جارہی ہے۔

بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی انکوائری کو آخر کار منظوری مل گئی

قومی انسانی حقوق کمیشن کی انکوائری کے ذریعہ بھی حقائق کو سامنے لایا جاسکتا ہے، مسلمانوں کو اس معاملہ میں کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے ورنہ پولیس حقائق کو دفن کردے گی

آخر کار حکومت کی ہٹ دھرمی اور سچائی کو سامنے لانے سے انکار کے باعث دہلی ہائی کورٹ نے بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر کی تفتیش قومی انسانی حقوق کمیشن کو سونپ دی۔ کمیشن نے پہلے ہی اس کے لئے کورٹ کے سامنے اپنی رضا مندی ظاہر کردی تھی۔ بہرحال کورٹ نے ۲۲ر جولائی تک تفتیش مکمل کرکے رپورٹ پیش کرنے کو کہا ہے۔ مسلمانوں نے کورٹ کے ذریعہ قومی انسانی حقوق کمیشن کی درخواست قبول کئے جانے کا خیر مقدم کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس معاملہ کی عدالتی یا سی بی آئی یا اعلیٰ سطحی انکوائری چاہتے ہیں تاکہ تمام حقائق سامنے آجائیں اور جو بھی قصوروار ہوا سے اس کے کئے کی سزا ملے۔ یہ قدم اگرچہ دیر سے اٹھایا گیا ہے لیکن ایک درست قدم ہے اور مسلمانوں کو پوری امید ہے کہ کمیشن حقائق کو سامنے لائے گا کیونکہ اس کی بدولت کورٹ نے اس کی تفتیش کی اجازت دی ہے۔

گزشتہ ۱۳ر ستمبر کو دہلی بم دھماکوں کے بعد اچانک دہلی پولیس کے اسپیشل سیل نے ۱۹ر ستمبر کو راجدھانی دہلی کے مسلم اکثریتی محلہ بٹلہ ہاؤس کے ایل ۱۸ میں عاطف اور ساجد نام کے دو نوجوانوں کو دن دہاڑے جس طرح گولی ماری اور اسے انکاؤنٹر کا نام دیا اور بڑے پیمانے پر علاقے کے مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرکے خوف ودہشت پیدا کرنے اور چند مسلم نوجوان کو بم دھماکے میں ملوث قرار دے کر پورے علاقے کو جس طرح بدنام کیا تھا اور اس کے بعد دہلی کے ہی مہرولی بم دھماکہ کو جس طرح نظر انداز کیا اور ثبوتوں کو مٹا کر اس طرح پیش کیا جیسے وہاں کوئی دھماکہ ہوا ہی نہیں تھا۔ جامعہ نگر کے مسلمانوں کو پولیس کے طرز عمل اور کہانی پر پورا شبہ تھا۔ دہلی پولیس ثبوت پیش کرتی رہی جس سے مسلمانوں کے شبہ کو تقویت ملتی رہی۔ فرضی انکاؤنٹر کے بعد گرفتار شکیل، ثاقب نثار اور ضیاء الرحمٰن کو پولیس نے عربی رومال کے ساتھ جس طرح میڈیا کے سامنے پیش کیا اور دہشت گردی کو مسلمانوں سے جوڑنے کی کوشش کی اس سے بھی پتہ چل رہا تھا کہ فرضی انکاؤنٹر اور مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے پیچھے گہری سازش ہے اور اس کے پیچھے کوئی اور ذہنیت کام کررہی ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی مسلمانوں نے انکوائری کا مطالبہ کیا پولیس نے اس کی مخالفت کی۔ اگر انکاؤنٹر اصلی ہوتا اور پولیس کی کہانی اور گرفتاری صحیح ہوتی تو پولیس انکوائری سے نہیں ڈرتی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کی پردہ پوشی پولیس چاہتی ہے۔ اس نے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی حوالہ کرنے سے انکار کردیا، تدفین کے لئے عاطف اور ساجد کی لاش دینے میں بھی پس وپیش کررہی تھی۔ اس نے لاشوں کے سڑنے اور گل جانے تک ان کی قبروں اور ایل-۱۸ کی نگرانی کی۔ انکاؤنٹر کے سلسلہ میں قومی انسانی حقوق کمیشن نے جو گائیڈ لائن بنائی ہے۔ اس کی بھی مخالفت کی اور اسی کے سخت دباؤ کے باعث حکومت نے واقعہ کی مجسٹریٹ انکوائری سے بھی انکار کردیا۔

یہ رٹ لگاتی رہی کہ ایل-۱۸ میں جو دو مسلم نوجوان مارے گئے وہ پولیس کی طرف سے ہی ایجاد کی گئی انڈین مجاہدین نامی تنظیم کے دہشت گرد تھے اور دہلی بم دھماکوں سمیت کئی بم دھماکوں میں ان کا ہاتھ تھا لیکن مسلمان روز اوّل سے ہی اسے فرضی انکاؤنٹر کہتے رہے اور پولیس کی کسی بھی کہانی پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ خود پولیس ہی وقت کے ساتھ ایسے ایسے ... جب کہ انسانی حقوق کمیشن شروع سے اس کی مانگ کررہا تھا۔ پولیس کی رپورٹ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ موصول ہونے کے بعد تو اس نے خاص طور سے اس کی پرزور وکالت کی۔

دہلی ہائی کورٹ میں جب انکوائری کا معاملہ گیا تو کورٹ نے ۲۲ر جنوری ۲۰۰۹ء کو کمیشن کے گائیڈ لائن کے مطابق مجسٹریٹ انکوائری نہ کرانے کی وجہ پولیس سے پوچھی۔ اس کے بعد دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر نے طویل خاموشی کے بعد ۲۶ر جنوری کو مجسٹریٹ انکوائری سے انکار کردیا۔

اس کے بعد اس معاملہ کی سماعت کورٹ میں ہوتی رہی۔ کورٹ نے حکومت اور پولیس سے کئی سوالات کے جواب مانگے اور بالآخر ۱۴ر مئی کو کمیشن سے یہ کہہ دیا کہ وہ یہ بتائے کہ وہ اس معاملہ کی انکوائری کرسکتا ہے۔ کمیشن نے جب اپنی رضا مندی ظاہر کردی تو کورٹ نے انکوائری اس کے حوالہ کردی حالانکہ پولیس اس کی مخالفت کرتی رہی۔ ایسے حالات میں جب معاملہ انسانی حقوق کمیشن کے حوالہ کیا جاچکا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ انکاؤنٹر کو فرضی ثابت کرنے کے سلسلہ میں ان کے پاس جو بھی ثبوت ہوں کمیشن کے علم میں لائیں اور حقائق کو سامنے لانے میں اس کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ کیونکہ وہی ایک ایسا ادارہ ہے جو حقائق کو سامنے لاسکتا ہے اور بدنامی کے داغ کو مٹا سکتا ہے۔ ورنہ حکومت اور پولیس سبھی مسلمانوں کو بدنام کرنے کا تہیہ کرچکی ہیں۔ اگرچہ واقعہ کو ہوئے ۸ ماہ ہوچکے ہیں لیکن ابھی بھی سچائی سامنے لائی جاسکی ہے اور نہ قصورواروں کو ان کے کئے کی سزا دلوائی جاسکی ہے۔

●●

عوام نے این ڈی اے کے اٹھائے گئے امور کو مسترد کردیا، امیر جماعت اسلامی ہند

نئی دہلی- نمائندہ دعوت (اشرف علی بستوی) کے ساتھ ایک خصوصی ملاقات میں امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے کہا کہ حالیہ عام انتخابات میں عوام نے این ڈی اے کے اٹھائے گئے ایشوز کو مسترد کردیا۔ اس لئے کہ عوام نے ان میں قطعی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ عوام کو اصل اور حقیقی مسائل کا ان میں کوئی جواب نہیں مل سکا، عوام کی نظر میں ملک کے حقیقی مسائل غربت، ناخواندگی، بے روزگاری ہے ہندو کلچر کے احیاء اور رام مندر کا تعمیر ان کا حل نہیں ہے۔ اسی طرح عوام نے انتخابی مہم کے دوران ناشائستہ طریقہ اختیار کرنے کو بھی قبول نہیں کیا۔ دوسری طرف کانگریس نے اپنی کارکردگی کے نام پر عوام سے ووٹ مانگا۔ امیر جماعت نے اس تفصیلی ملاقات میں کمیونسٹوں کی ہار کی وجہ یہ بتائی کہ انہوں نے بھی عوامی مسائل پر توجہ نہیں دی، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ مسلسل تیس برس کی حکومت کے باوجود مغربی بنگال دوسرے صوبوں سے بہت پیچھے رہتا۔ (اس ملاقات کی تفصیلی روداد آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

جنگ کی تباہ حالی سے خوشحالی کا سفر — یورپی یونین

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

براعظم یورپ کے پچیس ملکوں کی تنظیم "یورپی یونین" جو سیاسی، معاشی اور دفاعی مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لئے بنائی گئی، بنیادی طور پر مغربی یورپی ملکوں کی تنظیم تھی، لیکن اب مشرقی اور وسطی یورپ کے ممالک بھی اس کا حصہ ہیں۔ یورپی یونین میں آسٹریلیا، بیلجیم، سائپرس، چیک ری پبلک، ڈنمارک، اسٹونیا، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، یونان، ہنگری، آئرلینڈ، اٹلی، لٹویا، لتھوانیا، لکسمبرگ، مالٹا، نیدر لینڈ، پرتگال، سلواکیہ، سلوانیا، اسپین، سویڈن اور برطانیہ شامل ہیں۔ یورپی یونین، رکن ممالک کے درمیان ایک معاہدے کے تحت یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو وجود میں آئی۔ اس کے مقاصد میں مشترکہ کرنسی یورو، دفاعی حکمت عملی، شہریت، خارجہ پالیسی اور عدلیہ و انتظامیہ سمیت دیگر متعدد معاملات میں باہمی مشاورت ورہنمائی کے مشترکہ منصوبے شامل ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے سنگین تجربات نے یورپی ممالک کو بڑی تیزی سے ایک دوسرے سے قریب کردیا تھا اور انہیں احساس ہوچلا تھا کہ اب اگر حالات پر قابو نہ پایا جاسکا اور دو بڑی بڑی جنگوں کے بعد تیسری جنگ بھی مسلط ہوگئی تو اندلس، سلطنت عثمانیہ اور اشتراکیت کی طرح پھر ایشیائی عقائد و افکار یورپ پر مسلط ہوجائیں گے۔

اس خوف کے پیش نظر سب سے پہلے چھ یورپی ملکوں بیلجیم، فرانس، اٹلی، لکسمبرگ، نیدر لینڈ اور مغربی جرمنی نے ۱۹۵۱ء میں معاہدۂ فرانس پر دستخط کئے، جس کے تحت یورپین اسٹیل اینڈ کول کمیونٹی وجود میں آئی۔ اس معاہدے کی وجہ سے رکن ممالک کے درمیان آزادانہ تجارت کے راستے کھل گئے اور دوسری جنگ عظیم کی تباہ حالی کے بعد خوشحالی کا سفر شروع ہوا۔ یہ معاہدہ یورپ کی تاریخ میں سنگ میل ثابت ہوا۔ اسی معاہدے سے نکلنے والے بہت سے دیگر معاہدوں کو جمع کرکے یورپی کمیشن بنادیا گیا، جس نے یورپی یونین کی شکل اختیار کرلی۔ ۲۵ر مارچ ۱۹۵۷ء کو یورپی ملکوں نے معاہدۂ روم پر دستخط کئے، جس کے تحت دو بڑے بڑے ادارے وجود میں لائے گئے۔

پہلا یورپین ایٹمی توانائی کمیشن بنایا گیا، تاکہ ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں باہمی تحقیق وجستجو سے نئی راہیں دریافت کی جائیں اور اس ٹیکنالوجی کے دفاعی اور معاشی فوائد سمیٹے جائیں۔ دوسرا ادارہ یورپین اکنامک کمیونٹی وجود میں لایا گیا، جس کے تحت آزادانہ تجارت کے راستے کھولے گئے اور اشیائے ضروریہ، خدمات، سرمایہ اور افرادی قوت کی باہمی فراہمی میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اسی دوسرے ادارے کے تحت کامن ایکسٹرنل ٹریڈ پالیسی اور کامن ایگریکلچر پالیسی بھی بنائی گئی، تاکہ یورپ کے علاوہ دوسرے ممالک کے ساتھ بھی معاشی تعلقات استوار کئے جائیں۔ ان اداروں کے مقاصد کے حصول کے لئے رکن ممالک کو اپنے قوانین میں ترامیم بھی کرنی پڑیں اور کئی نئے قوانین بھی بنائے گئے۔ یورپی حکومتوں نے عوام کی بہتری کے لئے اسمبلیوں سے ان قوانین کو منظور کروایا اور پھر انہیں نافذ کرکے عوام کی خوشحالی کا سامان کیا۔

نوے کی دہائی کے وسط میں یورپی یونین نے ایک "یورپی معاشی علاقہ" واضح کردیا۔ اس علاقے میں تجارت کی آزادانہ نقل وحرکت شروع کردی گئی۔ ۱۹۹۷ء میں ایمسٹرڈیم معاہدے پر نظرثانی کی گئی اور نظرثانی شدہ معاہدہ، یکم مئی ۱۹۹۹ء کو نافذ کردیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت رکن ممالک کے عوام کے معیار زندگی کو بڑھانے کے لئے متعدد اقدامات تجویز کئے گئے، معاشرتی تحفظ کے قوانین کو مزید موثر کیا گیا، سول جوڈیشیل پالیسی نافذ کی گئی اور بنیادی انسانی حقوق کے نئے قوانین بھی رکن ممالک میں نافذ کئے گئے، اس کے علاوہ یورپی یونین کے بنیادی ڈھانچے اور عہدیداران کی حدود کار کا تعین بھی اس نظرثانی شدہ معاہدے میں شامل تھا۔ اس کے بعد ۲۰۰۱ء میں ایک اور معاہدہ ہوا، جسے یکم فروری ۲۰۰۳ء کو نافذ کردیا گیا، اسے "بھلا معاہدہ" کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت مشرقی یورپی ممالک کو بھی یورپی یونین میں شمولیت کی اجازت دی گئی۔ اس طرح یونین میں کمشنرز کی تعداد ستائیس ہوگئی اور کمیشن کے صدر کے اختیارات میں بھی اضافہ کردیا گیا۔ اس معاہدے میں قوانین کی ترمیم کے لئے شرط رکھی گئی کہ اگر یونین کے اپنے ممبرز ووٹ دیں، جو کہ رکن ممالک کی ۶۲ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہوں، تب قانون میں ترمیم ہوسکے گی۔

یورپی یونین کی مشترکہ کرنسی کا نام "یورو" ہے۔ ۱۹۹۸ء میں فرینکفرٹ میں یورپین سنٹرل بینک قائم کیا گیا، اسے نئی کرنسی کی جملہ تفصیلات طے کرنے کا کام سونپ دیا گیا، یکم جنوری ۱۹۹۹ء کو یہ کرنسی متعارف ہوئی۔ اس کا نام کاروباری دنیا میں گونجنے لگا اور ایک سینٹ سے دو یورو تک کے آٹھ سکے اور پانچ سے پانچ سو تک کے نوٹ ابتدائی طور پر مارکیٹ میں جاری کردیئے گئے۔ یکم جنوری ۲۰۰۲ء سے یہ کرنسی باقاعدہ سے نوٹوں اور سکوں کی شکل میں مارکیٹ میں استعمال ہونے لگی اور ۲۸ر فروری ۲۰۰۲ء کے بعد سے یورپی یونین کے ممالک نے اس کرنسی کو اپنے اپنے ملکوں میں رائج کردیا۔ تادم تحریر یہ کرنسی دنیا کی قیمتی کرنسیوں میں شمار ہوتی ہے اور عالمی منڈی میں ڈالر کے مقابلے میں اس کی مانگ میں روز بروز اضافہ دیکھا جارہا ہے۔

ترکی نے بھی ہمیشہ یورپی یونین کے معاہدوں میں شامل ہونے کی درخواست دی، لیکن اسے ہر دفعہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جس کی بظاہر وجہ یورپی تعصب ہے، جو وہ مسلمانوں سے روا رکھتے ہیں۔ ترک حکمرانوں نے اپنے عوام کو سیکولر بنانے کی بہت کوشش کی اور اپنے ملک میں اسلام کا جتنا حلیہ بگاڑ سکتے تھے، اس کا حق ادا کیا، لیکن ترکی نے یورپی آقاؤں کو خوش کرنے کا کیا صلہ پایا، سوائے تنہائی کے۔ ترکی ہر لحاظ سے یورپ کا حصہ ہے، لیکن حیرت ہے، یورپی تعصب پر کہ ستر سالہ طویل دشمنی نبھانے والے ممالک کو تو یورپی یونین میں شامل کرلیا، لیکن ترکی کو اپنا نہ بنا سکے۔ یورپ اس وقت دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہے، پوری دنیا کی نظریں سیاسی اور معاشی بحالی کے لئے یورپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے، انسانیت اور انسانی حقوق کا راگ الاپنے والا یورپ آج بھی اپنا ہی پیٹ بھرنے کی فکر میں ہے۔ دنیا کے کم وبیش ۸۶ فیصد وسائل یورپ کی دسترس میں ہیں، جبکہ دنیا میں یورپ کی آبادی ان وسائل کی تہائی سے بھی کم ہے۔ ان حالات میں بجائے اس کے کہ یورپ اپنے خزانوں کا منہ انسانیت کے لئے کھول دے، دنیا کی بچی کھچی دولت بھی اپنی سرزمین پر لے جانے کی فکر میں غلطاں ہے۔

سوال یہ ہے کہ انسانیت کا دعویدار، حقوق کا ٹھیکیدار، جمہوریت کا باوا آدم، لیکن دنیا کا معاشی، سیاسی اور معاشرتی استحصال کرنے والا یہ یورپ آخر کب تک انسانیت کا خون نچوڑتا رہے گا؟

●●

بش انتظامیہ نے عراق جنگ کے لئے بائبل کا استعمال کیا

لندن- برطانوی جریدہ "دی میل" نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ عراق پر حملے کے لئے بش انتظامیہ نے بائبل کا استعمال کیا۔ صدر بش کو قائل کرنے کے لئے اس وقت کے وزیر دفاع ڈونالڈ رمزفیلڈ نے بائبل کے بیانات کا سہارا لیا تھا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ عراق جنگ ممنوعہ ہتھیاروں کے خلاف کارروائی سے زیادہ امریکی فوج کا مذہبی فریضہ ہے۔ برطانوی جریدہ کے نمائندہ خصوصی پال تھامپسن کا کہنا ہے کہ عراق پر حملے کے بعد بھی صدر بش کو رمزفیلڈ کی جانب سے ایسے فوٹیج اور ویڈیو کی مدد سے بریفنگ دی جاتی تھی جن پر بائبل سے اخذ کئے جانے والے اقوال درج ہوتے تھے۔ یہ معاملہ سامنے آنے سے عراق جنگ کے مخالف مسلم رہنماؤں کا وہ موقف اُبھر کر سامنے آیا جس میں ان کا کہنا تھا کہ عراق کی جنگ عراقی عوام کی آزادی یا مہلک ہتھیاروں کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ عیسائی صلیبی ملک کی طاقت کی جانب سے مسلم ملک کو تباہ کرنے اور اس کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کی تھی۔

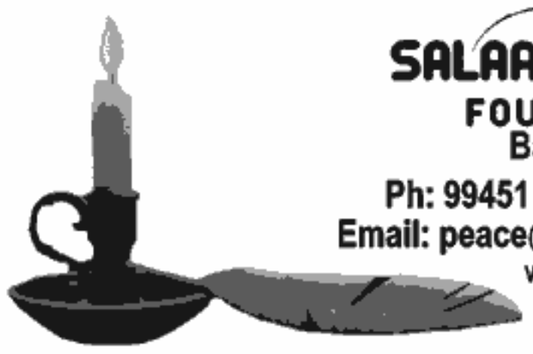

فکر معاصر

بائیں بازو کی کمزور حکمت عملی

ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹیاں اپنی اصول پسندی اور سیکولرزم سے اپنی وابستگی کی وجہ سے ملک کے عوام میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ ۲۰۰۹ء کے انتخابات میں کمیونسٹ پارٹیوں نے اپنی اس علیحدہ شناخت کو برقرار رکھنے کے بجائے تیسرے محاذ میں شامل ہوکر اپنے تشخص کو متاثر کیا ہے۔ آزادی کے بعد جتنے بھی انتخابات ہوئے کمیونسٹوں نے (تب بھی جب وہ ایک پارٹی تھے آج بھی جبکہ دو گروہوں میں منقسم ہیں) اپنے بل بوتے پر انتخابات لڑے۔ ۲۰۰۴ء کے عام انتخابات میں بائیں بازو کی ان جماعتوں نے ۶۱ سیٹیں حاصل کی تھیں۔ ۲۰۰۹ء کے انتخابات کے نتائج تو نہیں آئے لیکن مختلف ٹی وی چینلوں نے جو ایگزٹ پول اور تجزیے پیش کئے ہیں ان میں کمیونسٹوں کو ۳۵ تا ۴۰ نشستیں ملنے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مرتبہ بائیں بازو کی پارٹیوں کو انتخابات میں نقصان پہنچنے والا ہے۔ تیسرے محاذ میں کمیونسٹ پارٹیاں کیا رول ادا کرسکیں گی؟ اس کا صحیح اندازہ تو نہیں کیا جاسکتا لیکن آثار بتاتے ہیں کہ محاذ میں شامل دیگر جماعتوں اور خاص طور پر آندھرا پردیش میں مہاکوٹمی کا تجربہ جس کو Grand Alliance بھی کہا جاتا ہے، بے حد دشواریوں سے گزرا۔ جیسے ہی انتخابی عمل مکمل ہوگیا اس محاذ میں شامل تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کے متلون مزاج لیڈر کے چندر شیکھر راؤ نے لدھیانہ میں این ڈی اے کی ریلی میں شرکت کی۔ ان کو اس عجیب و غریب تماشے سے باز رکھنے میں ریاستی سطح کے کمیونسٹ لیڈر یا خود سی پی ایم کے طاقتور لیڈر پرکاش کرات بھی کامیاب نہیں ہوسکے۔ حالانکہ محاذ میں تنظیمی ڈھانچے اور قومی اثر و رسوخ کے اعتبار سے کمیونسٹ پارٹیاں ہی طاقتور سمجھی جاتی ہیں۔ این ڈی اے سے جس کی باگ ڈور بھارتیہ جنتا پارٹی کے ہاتھ میں ہے کمیونسٹوں نے خود کو ہمیشہ دور رکھا لیکن ریاستی سطح پر اس محاذ کے ایک فریق ٹی آر ایس لیڈر کو این ڈی اے میں شامل ہونے سے نہ روک سکے۔ یہ ان معنوں میں حکمت عملی کا نقص ہے کہ مہاکوٹمی کی تشکیل کے وقت کمیونسٹ پارٹیوں نے چندر شیکھر راؤ کے مزاج اور ان کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے فیصلوں کو قطعی نہیں سمجھا۔ بی جے پی سے ہمیشہ کھل کر اختلاف کرنے کا بہترین ریکارڈ رکھنے والی یہ پارٹیاں کس طرح سے تلگو دیشم پر اتنا اعتماد رکھتی ہیں کہ اس کو نہ صرف محاذ میں اونچا مقام دیا جاتا ہے بلکہ پرکاش کرات مسلسل چندرابابو نائیڈو سے ٹیلیفون پر مبینہ طور پر بات چیت کر رہے ہیں۔ حالانکہ تلگو دیشم کے سیاسی کیریئر میں سب سے بڑی غلطی اس سے یہ سرزد ہوئی تھی کہ اس نے بی جے پی سے ہاتھ ملایا تھا اور اس کی بڑی بھاری قیمت تلگو دیشم کو ادا کرنی پڑی تھی۔ بی جے پی سے ہاتھ ملانے کے بعد تیلگو دیشم پارٹی کا سیکولرازم سبھی کی نظر میں مشکوک ہوگیا تھا لیکن کمیونسٹ پارٹیوں نے ماضی قریب کے اس سیاسی پس منظر کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مجموعی طور پر ۲۰۰۹ء کے انتخابات میں مارکسسٹ کمیونسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا دونوں ہی نے سیاسی بصیرت کا مظاہرہ نہیں کیا جو ان پارٹیوں کی خصوصیت ہے۔ اب مابعد الیکشن جو حالات پیدا ہوسکتے ہیں ان میں بھی کمیونسٹ پارٹیوں کو اپنی سیاسی راہ تلاش کرنے میں کافی دشواری ہوگی۔ عجیب اتفاق ہے کہ کمیونسٹ طاقتیں قومی سیاست کی شاہراہ چھوڑ کر پگڈنڈیوں کی تلاش میں مصروف ہوگئی ہیں جو ان کے لئے تو نقصاندہ ہوگا ہی، ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے سیکولرزم کو بھی اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جس شدت کے ساتھ کمیونسٹ پارٹیوں نے یو پی اے میں شامل نہ ہونے کا دعوی کیا وہ بھی کوئی لچکدار رویہ نہیں تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ انتخابی نتائج کے تخمینے کے بموجب یو پی اے کو ہی معمولی سہی برتری مل رہی ہے یعنی بی جے پی کی قیادت والے این ڈی اے اور کانگریس کی قیادت والے یو پی اے میں عددی طاقت کا بہت کم فاصلہ ہے۔ جتنے بھی ارکان کمیونسٹ پارٹیوں کے منتخب ہوتے ہیں ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ وہ یو پی اے کا ساتھ دیں۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ کمیونسٹ پارٹیاں ہمیشہ یہ کہتی رہیں کہ وہ کسی بھی صورت میں بی جے پی کو اقتدار پر نہیں آنے دیں گی۔ اپنے اس عزم کو آج بھی وہ پورا کرسکتی ہیں بشرطیکہ حکمت عملی کی مزید کوئی غلطی نہ ہو۔ (منصف، حیدرآباد)

امریکی بالادستی کا چراغ گل ہوا چاہتا ہے

تحریر: ایم ابراہیم خان

کون سا خطہ ہے جس پر تصرف برقرار رکھنے کے لئے امریکہ بیتاب اور تیار نہیں! سیاست، معیشت اور ثقافت کے حوالے سے امریکہ اپنی بالادستی برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ اس کوشش میں اس سے چند ایک سنگین غلطیاں بھی سرزد ہو رہی ہیں۔ بہت سے ممالک اور خطوں کے ساتھ وہ شدید ناانصافی کا مرتکب بھی ہو رہا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنی طاقت کے اظہار سے باز نہیں آ رہا۔ عالمی معیشت میں رونما ہونے والا بحران امریکی معیشت پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔ بعض ماہرین کا تو یہ کہنا ہے کہ عالمی معیشت کا بحران امریکہ کا پیدا کردہ یا اس کی معیشتی خرابیوں کا نتیجہ ہے مگر اس کے باوجود یہ سچ ہے کہ امریکی معیشت اب بھی سب سے آگے ہے۔ چارلس کپن کا کہنا ہے کہ یہ صورتحال زیادہ دیر نہیں رہے گی۔ امریکی بالادستی جلد ماضی کا حصہ بننے والی ہے۔ ایشیائی معیشتوں کا ابھرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امریکی بالادستی کے لئے کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔ اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی کتنی دیر میں رونما ہوگی۔ چارلس کپن نے اپنی کتاب ”دی اینڈ آف دی امریکن ایرا“ میں اس امر پر بحث کی ہے کہ امریکہ اور یورپ کی بالادستی ختم ہو چلی ہے اور دونوں کو تاریخ سے کئی اہم سبق سیکھنے ہوں گے۔ اس کتاب سے اقتباسات آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں:

عالمی سیاست اور معیشت پر اثر انداز ہونے والے بیشتر فیصلے آج کل واشنگٹن اور بروسلز میں ہو رہے ہیں مگر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا، کچھ یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ طاقت کے دیگر مراکز کی طرف بھی دنیا تیزی سے متوجہ ہو رہی ہے۔ بیجنگ، ٹوکیو اور نئی دہلی نے اپنی بات منوانے کی جانب سفر تیز کر دیا ہے۔ امریکہ کو اس وقت دو جانب سے دباؤ کا سامنا ہے۔ ایک طرف اس کا عشروں کا ساتھی یورپ الگ راہ پر چل پڑا ہے۔ یورپی یونین کی شکل میں امریکہ کے لئے ایسا حریف پیدا ہوا ہے جو محض دکھاوے کو اس کا دوست ہے۔ دوسری جانب امریکہ کو ایشیا کی چند معیشتوں سے بھی شدید مسابقت کا سامنا ہے۔ امریکہ سے یہ حقیقت ہضم نہیں ہو پا رہی کہ یورپ اپنے طور پر فیصلے کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔ اب تک امریکہ اس کے ہر معاملے میں فیصلہ کن انداز سے مداخلت یا شراکت کرتا رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ یورپ دفاعی امور میں وسیع تر کردار ادا کرے مگر وہ اس کی پوزیشن اس حد تک مستحکم نہیں دیکھنا چاہتا کہ اہم فیصلوں میں اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ یورپ کے کاروباری اور تعلیمی اداروں کی برتر حیثیت امریکہ کے لئے اب بھی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے اسے نبرد آزما ہونا ہے۔ امریکی قیادت کے ذہن پر ایک صدی سے بھی زائد مدت سے یہ نکتہ پتھر پر لکیر کی مانند نقش ہے کہ دنیا کو چلانا اسی کا کام ہے۔ چند بڑے بین الاقوامی ادارے قائم ضرور کئے گئے مگر امریکہ ان پر اس بری طرح اثر انداز ہوا ہے کہ بین الاقوامی سفارت کاری اور معیشت کے معاملات درست ہونے کے بجائے بگڑتے ہی گئے ہیں۔ تمام معاملات میں آزاد اور خود مختار یورپ کا خواب امریکہ نے کبھی نہیں دیکھا۔ دونوں پر سیاسی اور معاشی دباؤ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے درمیان کبھی مسابقت ہوا کرتی تھی۔ اب اس مسابقت نے رقابت کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ بعض ماہرین اس امر پر زور دیتے ہیں کہ آج کے حالات اور امور کا موازنہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال قبل کے حالات اور واقعات سے کرنا دانشمندی نہیں۔

امریکہ اور یورپ نے سو سال قبل کے حالات سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ میں پختگی پیدا ہوتی گئی ہے۔ کوئی تصور کر سکتا تھا کہ بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ جنگ کی دلدل میں پھنس جائے گا۔ امریکہ اور یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے دوران جس قدر تباہی ہوئی اس کے بارے میں کسی نے شاید خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے تک امریکہ اور یورپ نے کسی بھی معاملے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ مگر اس کے بعد حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ کئی شعبوں میں اب نہ چاہتے ہوئے امریکہ اور یورپ کے درمیان مخاصمت بڑھتی ہی جارہی ہے۔ یورپ نے امریکہ کی روش ترک کرتے ہوئے پسماندہ ممالک سے تعلقات بہتر بنانا شروع کردیئے ہیں۔ یورپی یونین کسی بھی خطے میں باضابطہ جنگ لڑ رہی ہے، نہ خانہ جنگی کو ہوا دے رہی ہے۔

کئی صدیوں کے تعلقات نے امریکہ اور یورپ کو بہتر انداز سے جینا سکھایا ہے۔ دونوں خطوں میں لبرل ڈیموکریسی کے فروغ اور معاشرتی اقدار کے پنپنے سے رواداری کی ایسی فضا پیدا ہوئی ہے جس میں ایک دوسرے کی ترقی سے زیادہ خوفزدہ ہونے کی ضرورت کم ہی محسوس کی جاتی رہی۔ مذہب اور دیگر بنیادوں پر تشدد کا رجحان کمزور ہوتا گیا اور پرامن بقائے باہمی کی روایت کو فروغ ملتا رہا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کب تک چلتا؟ امریکہ نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی اور اس کے نتیجے میں صرف خرابیاں پیدا ہوتی رہیں۔ یورپ کو اس صورتحال نے فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچایا۔ اب یورپ نے اپنی الگ راہ نکالی ہے۔ جب تک مفادات کا براہ راست تصادم ممکن نہیں تھا تب تک دونوں میں گاڑھی چھن رہی تھی۔ اب اس کی گنجائش کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ بین الاقوامی معیشت کے بدلتے ہوئے رجحانات نے امریکہ اور یورپ کے درمیان مسابقت بڑھادی ہے۔ یورپی یونین کے پلیٹ فارم پر یورپ نے امریکہ سے اپنی راہ الگ کرلی ہے۔ مسلم دنیا سے تعلقات کے معاملے میں بھی یورپ نے امریکہ سے اختلاف کیا ہے اسلامی دنیا سے یورپ کے تعلقات کی نوعیت مختلف اور خاصی قابل قبول ہے۔ اس معاملے میں امریکہ اب تک طاقت کے استعمال پر یقین رکھتا ہے۔ یورپ نے نرم قوت کے تصور کو اپنایا ہے۔ جدید علوم اور فنون کے میدان میں اسلامی ممالک کی معاونت کے ذریعے یورپ نے باہمی تعلقات بہتر بنانے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ صدیوں کی مخاصمت ختم کرکے دو طرفہ تعلقات کے مستقبل کو تابناک بنانے پر زور دیا جارہا ہے۔

> یورپ نے اب تک اپنے بیشتر معاملات واشنگٹن کی مرضی پر چھوڑ رکھے تھے۔ زمانہ بدل رہا ہے ایسے میں یورپ کو یہ بات ممکن دکھائی نہیں دے رہی کہ سب کچھ امریکہ ہی کی مرضی پر چھوڑا جائے۔ بروسلز کے پلیٹ فارم سے فیصلوں کی ابتداء ہوچکی ہے۔ سب کچھ امریکہ کی مرضی پر چھوڑنے سے گریز کی بھرپور ابتداء ہوچکی ہے۔ امریکی انتظامیہ کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ اب یورپ اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرے گا۔ بین الاقوامی امور میں اب یورپ وسیع تر کردار چاہتا ہے۔ سفارتکاری کے میدان میں تمام امور امریکہ کے سپرد کرنے کی روش ترک کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ امریکی اثرات کا دائرہ گھٹانے کی منظم کوشش شروع ہوچکی ہے۔ فرانس، جرمنی اور دوسرے طاقتور یورپی ممالک نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ہر معاملے میں امریکی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

یورپ نے اب تک اپنے بیشتر معاملات واشنگٹن کی مرضی پر چھوڑ رکھے تھے۔ زمانہ بدل رہا ہے ایسے میں یورپ کو یہ بات ممکن دکھائی نہیں دے رہی کہ سب کچھ امریکہ ہی کی مرضی پر چھوڑا جائے۔ بروسلز کے پلیٹ فارم سے فیصلوں کی ابتداء ہوچکی ہے۔ سب کچھ امریکہ کی مرضی پر چھوڑنے سے گریز کی بھرپور ابتداء ہوچکی ہے۔ امریکی انتظامیہ کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ اب یورپ اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرے گا۔ بین الاقوامی امور میں اب یورپ وسیع تر کردار چاہتا ہے۔ سفارتکاری کے میدان میں تمام امور امریکہ کے سپرد کرنے کی روش ترک کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ امریکی اثرات کا دائرہ گھٹانے کی منظم کوشش شروع ہوچکی ہے۔ فرانس، جرمنی اور دوسرے طاقتور یورپی ممالک نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ہر معاملے میں امریکی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ۱۹۹۹ء میں فرانسیسی وزیر خارجہ ہیوبرٹ ویڈرین نے کہا تھا کہ یورپ ایک ایسی دنیا قبول نہیں کرسکتا جس میں تمام سیاسی امور کسی ایک ملک کے ہاتھ میں ہوں اور نہ ہی ایسی دنیا قبول کی جاسکتی ہے جس میں کوئی ایک ملک اپنی ثقافت کو تمام ممالک پر تھوپے۔ ویڈرین نے نام لے کر کہا تھا کہ امریکہ واحد سپر پاور ہے مگر تمام معاملات اس کے حوالے نہیں کئے جاسکتے اور اسے ہر معاملے میں من مانی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس وقت کے فرانسیسی صدر ژاک شیراک نے ویڈرین سے مکمل طور پر متفق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ کی بالادستی ختم کرنے کے لئے ہمیں منظم ہونے کی ضرورت ہے۔

دسمبر ۱۹۹۹ء میں چینی ہم منصب جیانگ زیمن سے ملاقات کے بعد تب کے روسی صدر بورس یلتسن نے کہا تھا کہ دنیا کے تمام معاملات کسی ایک ملک کے حوالے کرنے کا نظام درست نہیں اور اسے کسی بھی طور قبول نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے چین کے ساتھ مل کر امریکی بالادستی کا کوئی جواب لانے سے بھی اتفاق کیا تھا۔ دونوں صدور اس بات کے حق میں تھے کہ چند ترقی یافتہ اور مستحکم ممالک مل کر دنیا کو چلائیں اور معاملات آپس میں اس طور بانٹ لیں کہ کسی ایک ملک کی بالادستی کا تصور ختم ہو اور کسی بھی خطے میں عدم استحکام پیدا ہی نہ ہو۔

ویلری جسکارڈ ڈی ایسٹینگ نے ۲۰۰۲ء میں یورپی یونین کے آئین کے نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب یورپ صرف معاشی امور ہی میں نہیں بلکہ سیاسی امور میں بھی ابھرتی ہوئی قوتوں کے ساتھ بہتر انداز سے بات کرسکے گا اور اپنی حیثیت منوا سکے گا۔ یورپ اپنی حیثیت منوانا چاہتا ہے۔ بین الاقوامی سفارتکاری کے میدان میں امریکہ نے اسے پیچھے رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کی جانب سے معاملات بھی طے کئے ہیں۔ اب یورپی اقوام امریکہ کو اپنا نمائندہ یا ترجمان بنانے کے لئے تیار نہیں۔ انہیں روس کے ساتھ ساتھ چین اور دیگر ابھرتی ہوئی ایشیائی قوتوں سے بھی بہتر تعلقات استوار رکھنا ہیں۔ ایسے میں بالادستی برقرار رکھنے کی امریکی پالیسی کو کیونکر برداشت کیا جاسکتا ہے؟ یورپی یونین کے صدر رومانو پروڈی نے بھی یورپ کو اجتماعی طور پر ایک ایسی سپر پاور میں تبدیل کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو بیشتر امور میں امریکہ کی برابری کے قابل ہو۔ اس نوعیت کے بیانات انتخابی حکمت عملی کا نتیجہ بھی ہوسکتے ہیں تاہم ان سے یہ اندازہ لگانے میں بھی مدد ملتی ہے کہ یورپ کے بڑے اذہان کیا سوچ رہے ہیں۔ اگر ان بیانات کو سیاسی بڑھک سمجھا جائے تب بھی ان سے یورپ کی مجموعی ذہنیت ضرور منعکس ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ تاریخی اور نفسیاتی طور پر امریکہ سے خاصی قربت محسوس کرتا ہے، تاہم امریکی سیاسی و معاشرتی اقدار نے یورپ کے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ امریکہ میں گن کلچر عام ہے جبکہ یورپ میں آج بھی عوام کو مسلح کرنے سے گریز کیا جائے۔ مشرق وسطی کے معاملے میں امریکہ اور یورپ کی راہیں کب کی الگ ہوچکی ہیں۔ ایران اور عراق کے معاملے میں یہ اختلافات کھل کر سامنے آئے۔ یورپ نے صدام حسین کی حکومت کا تختہ الٹنے کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ سوال صرف سیاسی امور کا نہیں، تجارتی اور مالیاتی امور میں بھی امریکہ اور یورپ کے اختلافات اظہر من الشمس ہیں۔ عالمی معیشت میں یورپ بھی اپنا بڑھا ہوا حصہ چاہتا ہے۔ دوسری طرف امریکہ چاہتا ہے کہ تمام اہم معاشی اور بالخصوص مالیاتی امور میں اپنی بالادستی برقرار رکھی جائے۔ اور ایک امریکہ پر کیا موقوف ہے، کوئی بھی ملک بین الاقوامی سیاست اور معیشت میں اپنی غالب حیثیت سے دستبردار ہونے کے لئے کبھی آسانی سے رضامند نہیں ہوا۔ امریکہ اور یورپ بیشتر معاشی معاملات میں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا رہے ہیں تاہم یورپی سرمایہ کاری کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے اور دوسری طرف امریکی تجارت کا دائرہ سکڑ رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں یورپ اپنی پوزیشن کا فائدہ بھی اٹھا رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ اور یورپ کے تجارتی اور مالیاتی تعلقات پر سیاسی اثرات بڑھتے جائیں گے۔ امریکہ نے مارچ ۲۰۰۲ء میں اسٹیل کی درآمد پر ڈیوٹی بڑھانے کا فیصلہ کیا تو عالمی تجارتی تنظیم میں یورپی یونین نے اس کی مخالفت کی۔ یورپ کے تجارتی امور کے مذاکرات کار پاسکل لیمی نے کہا کہ امریکہ اپنی معیشت کو محفوظ رکھنے کے لئے جو اقدامات کر رہا ہے ان سے بین الاقوامی تجارت کو شدید دھچکا لگے گا۔

> سوال صرف سیاسی اور معاشرتی امور میں اختلافات کا نہیں۔ امریکہ اور یورپ کی معاشرتی اقدار میں بھی خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ یورپ نے خود کو آزاد منڈی کی معیشت سے تھوڑا سا دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یورپ بھر میں بہت سی بنیادی سہولتوں کی فراہمی آج بھی ریاست کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے اور اس کے لئے زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں شہریوں کو کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کمائیں اور کسی بھی سہولت کو اپنی مرضی کے مطابق حاصل کریں۔ یورپ میں بیشتر بنیادی خدمات کی فراہمی اور قومی اہمیت کے حامل اداروں کا کنٹرول ریاست کے پاس ہے۔ شہریوں کو آزادی ضرور میسر ہے مگر اسے مادر پدر آزادی میں تبدیل ہونے سے روکا گیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے معاشی ماڈلز میں بھی واضح فرق موجود ہے۔

سوال صرف سیاسی اور معاشرتی امور میں اختلافات کا نہیں۔ امریکہ اور یورپ کی معاشرتی اقدار میں بھی خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ یورپ نے خود کو آزاد منڈی کی معیشت سے تھوڑا سا دور رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یورپ بھر میں بہت سی بنیادی سہولتوں کی فراہمی آج بھی ریاست کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے اور اس کے لئے زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں شہریوں کو کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کمائیں اور کسی بھی سہولت کو اپنی مرضی کے مطابق حاصل کریں۔ یورپ میں بیشتر بنیادی خدمات کی فراہمی اور قومی اہمیت کے حامل اداروں کا کنٹرول ریاست کے پاس ہے۔ شہریوں کو آزادی ضرور میسر ہے مگر اسے مادر پدر آزادی میں تبدیل ہونے سے روکا گیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے معاشی ماڈلز میں بھی واضح فرق موجود ہے۔ امریکہ میں آمدنی کا فرق نمایاں ہے۔ کوئی ماہانہ پچیس ہزار ڈالر کماتا ہے اور کوئی صرف ہزار بارہ سو۔ دوسری طرف کنزیومرازم ہے جس نے عام امریکیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ میڈیا نے لوگوں کو نفسیاتی ہتھکنڈوں کے ذریعے ایسی بہت سی چیزوں کے خریدنے کا عادی بنادیا ہے جن کی انہیں ذرا بھی ضرورت نہیں۔ یورپ میں لوگ آج بھی خریداری کے معاملے میں قدرے باشعور ہیں۔ خاندانی نظام کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہنے کے طفیل بیشتر یورپی باشندے چند حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یورپ کے بیشتر معاشروں میں آمدنی کا فرق زیادہ نہیں۔ اس کے نتیجے میں طبقاتی فرق نے بھی خطرناک شکل اختیار نہیں کی۔ امریکہ میں معاشی مفادات کے لئے لوگ معاشرتی اقدار کو داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ یورپ میں ایسا نہیں ہے۔ بیشتر یورپی باشندوں کے نزدیک مالی فوائد ہی سب کچھ نہیں۔ حکمرانی کے انداز کے معاملے میں بھی امریکہ اور یورپ کے درمیان خاصا فاصلہ ہے۔

یورپی یونین نے سفارت کاری اور معیشت کے میدان میں جو انداز اختیار کیا ہے اس کے نتیجے میں عالمگیر سطح پر ایک دوسرے کی بات سننے کے کلچر کو فروغ مل رہا ہے۔ یورپی یونین کے پلیٹ فارم سے یورپی اقوام نے یہ پیغام دیا ہے کہ وہ ایسے بین الاقوامی اداروں کا قیام چاہتی ہیں جن میں تمام ممالک کی بات سنی جائے اور ان کی ضرورتوں کا خیال بھی رکھا جائے۔ امریکہ کے نزدیک بین الاقوامی قوانین کی توضیع اور نفاذ محض سادہ لوحی ہے۔ اس کا تصور یہ ہے کہ یورپ عسکری امور میں اپنی کمتری کے باعث بین الاقوامی سطح پر رواداری کی بات کر رہا ہے۔ دوسری طرف یورپ کے باشندے اس بات کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں کہ امریکہ اپنی غیر معمولی قوت کے ریلے میں بہہ گیا ہے۔ اس کی نخوت کو واضح طور پر محسوس کیا جارہا ہے۔ عسکری اور معاشی قوت نے اس کی تمام اخلاقی اقدار کا بیڑہ غرق کردیا ہے۔ معاشرتی امور میں امریکہ اور یورپ کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ امریکی معاشرے میں اب خاندانی نظام اور اخلاقی اقدار کی کچھ زیادہ اہمیت باقی نہیں رہی۔

بیشتر بین الاقوامی معاملات میں امریکہ اور یورپ ہم آہنگ رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دونوں کو فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ اقوام متحدہ، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک میں دونوں نے اپنی آواز عمدگی سے بلند کی ہے۔ جب کبھی یورپ نے امریکہ سے متفق ہونے کی زحمت گوارا نہیں کی تب امریکیوں کا مشکلات درپیش رہی ہیں۔ اب اختلافات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا ہے اور اس کے نتیجے میں امریکیوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ کسی معاملے میں یورپ کا اختلاف کرنا تو مشکلات کا باعث بنتا ہی ہے۔

امریکیوں کو اندازہ ہے کہ اہل یورپ کا محض متفق نہ ہونا بھی ان کے اختلافات سے کم نہیں۔ یکم جولائی ۲۰۰۲ء کو بین الاقوامی عدالت انصاف کا قیام عمل میں آیا۔ یورپ نے امریکی انتظامیہ کی ناراضی کی پروا کئے بغیر اس کے قیام کی منظوری دی۔ امریکیوں نے بین الاقوامی عدالت انصاف کے قیام کی مخالفت کرتے ہوئے یورپ کو دھمکی دی کہ اگر اس کے فوجیوں کو عدالتی کارروائی سے استثنا نہ دیا گیا تو وہ بوسنیا ہرزیگووینا میں متعین امن فوج سے اپنے دستے واپس بلالے گا۔ جولائی ۲۰۰۱ء میں یورپی یونین نے ایک سو پچاس ممالک کے ساتھ کیوٹو پروٹوکول پر دستخط کئے جس کے تحت ماحول کو تحفظ فراہم کرنے کا بین الاقوامی قانون نافذ ہو۔

اب تک امریکہ کو یورپ سے خطرہ لاحق ہے۔ دونوں کے درمیان اختلافات ہیں مگر ان کے نتیجے میں کسی جنگ یا خونیں تصادم کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ کچھ مدت بعد صورتحال البتہ بدل سکتی ہے۔ ایشیا میں مختلف معیشتیں جس تیزی سے ابھر رہی ہیں اس کی روشنی میں امریکہ اور یورپ کی ترجیحات تبدیل ہوسکتی ہیں۔ آج امریکہ اپنی بالادستی کے مٹنے کے خوف میں مبتلا ہے اور اسے سب سے زیادہ خطرہ یورپ سے لاحق ہے۔ پندرہ سال بعد حالت یہ ہوگی کہ دونوں ایک دوسرے سے خوفزدہ ہونا ترک کرکے ایشیا سے ڈریں گے۔ ●●

حیرت انگیز انتخابی نتیجے

بابو شہابی

پندرہویں لوک سبھا کے لئے پانچ مرحلوں میں ہوئے انتخابات کے جو نتیجے آئے ہیں وہ دو سال قبل اتر پردیش میں ہوئے اسمبلی الیکشن کے نتیجے کی طرح غیر متوقع اور حیرت انگیز ہیں۔ کسی بھی تجزیہ کار یا ٹی وی چینل نے کانگریس کے اس طرح ابھر کر آنے اور متحدہ ترقی پسند اتحاد کے تنہا حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہونے کی پیشین گوئی نہیں کی تھی۔ زیادہ تر تجزیہ کار اور ٹی وی چینل نے اتحادیوں کے ادھر ادھر ہونے یا نئے اتحاد کی تشکیل کے بارے میں رائے ظاہر کی تھی اور اس طرح کی پیشین گوئیوں کے باعث ہی محض ایک ریاست تک محدود رہنما مایاوتی بھی سات ریس کورس میں رہنے یعنی وزیر اعظم بننے کا خواب دیکھنے لگی تھیں۔ لیکن انتخابات کے نتیجوں نے سب کو حیران کردیا۔ نہ صرف متحدہ ترقی پسند اتحاد یعنی یو پی اے تنہا حکومت بنانے کی پوزیشن میں آ گیا بلکہ کانگریس کو ۱۹۹۱ء کے بعد سب سے بہتر کامیابی حاصل ہوئی ہے نیز ملک کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں وہ پھر سے ایک مضبوط پارٹی کی شکل میں ابھری ہے جو بہوجن سماج پارٹی اور سماجوادی پارٹی دونوں کیلئے خطرے کی گھنٹی ہے۔ اتر پردیش میں کانگریس کی حوصلہ افزا کامیابی مایاوتی اور ملائم سنگھ دونوں کے لئے قابل غور ہے۔ کانگریس نے دونوں تنظیموں کے ساتھ انتخابی اتحاد کی کوشش کی تھی لیکن دونوں نے اسے مسترد کردیا تھا، یہ سمجھ کر کہ اتر پردیش میں کانگریس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بہار میں راشٹریہ جنتا دل کے صدر لالو پرساد یادو اور لوک جن شکتی پارٹی کے صدر رام ولاس پاسوان نے بھی صرف تین سیٹیں دے کر کانگریس کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب بہار میں راشٹریہ جنتا دل کو صرف چار سیٹیں ملی ہیں جن میں ایک سیٹ لالو پرساد یادو (سارن) کی ہے، جبکہ حاجی پور پارلیمانی سیٹ سے کبھی ریکارڈ کامیابی حاصل کرنے والے رام ولاس پاسوان اپنی سیٹ بھی نہیں بچا سکے ہیں۔ اب لالو پرساد یادو یہ کہہ رہے ہیں کہ کانگریس سے معاہدہ نہ کرنا ایک بھول تھی، کیونکہ کانگریس کے ووٹ برباد ہوگئے۔ لیکن لالوجی! اب پچھتانے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے بہار میں پہلے ہی آپ کی حکومت ختم ہوچکی ہے، مرکز ایک سہارا تھا لیکن اب وہ بھی ختم ہوگیا۔ کیونکہ کانگریس اب آپ کی محتاج نہیں ہے، اب تو ان لوگوں کی لائن لگنے والی ہے جو یو پی اے میں شامل ہونے کے متمنی ہوں گے۔

باقی صفحہ ۵ پر

سیکولر جماعتوں کا اتحاد، ملک کی اہم ضرورت

مفتی محمود زبیر قاسمی حیدرآباد

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف بولی بولنے والے بڑی تعداد میں بستے ہیں، ہندوستان کے بسنے والوں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ دیگر ممالک کے باشندوں کے مقابلہ اپنے مذہب، عقائد اور روایات کے زیادہ پاسدار اور احترام کرنے والے ہوتے ہیں، مذہب سے ان کی گہری وابستگی اور تعلق کے باوجود اس ملک کو پرامن اور خوش رکھنے میں جہاں باہمی احترام اور رواداری کا بڑا دخل ہے، وہیں ملک کے سیکولر قانون اور سیکولر حکومتوں کا اہم کردار سمجھا جاتا ہے، ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھی ہے، جہاں ۷۱۴ ملین رجسٹرڈ ووٹرس بستے ہیں، جو دنیا کے کسی بھی ملک کی سب سے بڑی تعداد ہے۔

حال ہی میں چند ریاستوں کے اسمبلی انتخابات کے ساتھ ملک بھر میں لوک سبھا انتخابات کی بھی خوب دھوم رہی۔ گزشتہ چند انتخابات سے ملک بھر میں کسی بھی سیاسی جماعت کو مطلوبہ اکثریت نہ ملنے کی وجہ سے مشترکہ حکومت تشکیل دینے کا رواج چل پڑا ہے، یہ انتخابات اسی نوع کے اشتراک کی تیسری کوشش، تھرڈ فرنٹ' کے وجود میں آنے کے سبب دلچسپ اور اہمیت کے حامل بھی ہوگئے، یوپی حکومت نے کمیونزم کے کٹر مخالف تصور کئے جانے والے امریکہ کے ساتھ نیوکلیئر معاہدہ کیا تھا، جس پر ملک کے بعض گوشوں نے خوب تنقید کی اور بعض نے اس معاہدہ کو ملک کی نیوکلیئر طاقت، امریکہ کے یہاں گروی رکھنے سے بھی تعبیر کیا، اس دوران اشتراکی نظریات کی حامل ملک کی ایک اہم سیاسی جماعت کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے جو اس وقت تک یو پی اے گورنمنٹ کا ایک اہم حصہ تھی معاہدہ سے سخت اختلاف کیا اور کانگریس کو اس اقدام سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی، مگر معاہدہ ایک جنونی کیفیت کے ساتھ تکمیل پذیر ہوا، ہزار کوششوں کے باوجود معاہدہ کی تکمیل نے کمیونسٹ پارٹی کو اپنے ہاتھ کھینچنے پر مجبور کیا، سی پی آئی نے یوپی اے سے اپنی اتحاد کو ختم کرتے ہوئے، گورنمنٹ سے خود کو علاحدہ کرلیا، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے نظریات کے ازلی دشمن کے ساتھ ان کے حلیفوں کا والہانہ تعلق ان پر شاق ضرور ہوا ہوگا، یوپی اے حکومت نے دیگر سیاسی جماعتوں کی مدد سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرلیا۔ ان دو بڑی سیکولر جماعتوں کے انتشار کے باوجود ملک میں سیکولر حکومت قائم رہی، ان تلخیوں نے کمیونسٹ پارٹی کو تیسرے محاذ کی تشکیل پر آمادہ کیا، کمیونسٹ پارٹی نے مختلف علاقائی جماعتوں کو ساتھ لے کر تیسرا محاذ بنا کر ۲۰۰۹ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔ موجودہ ملکی حالات کے حوالے سے چند باتوں پر ٹھنڈے دل سے ملک کی سیکولر جماعتوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے، امریکہ سے کئے گئے نیوکلیئر معاہدہ سے ملک کو ہوئے فائدہ یا نقصان سے قطع نظر اس بات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ملک کی فرقہ پرست جماعتوں کو اس کا راست فائدہ ہوا ہے، وہ اس معاہدہ کے اثرات سے بکھرنے والی سیکولر طاقتوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، جو بہرحال ہندوستان جیسے سیکولر اقدار کے حامل ملک اور یہاں کے باشندوں کے لئے انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے، کیونکہ فرقہ پرست جماعتوں کا ایجنڈا ملک کی اقلیتوں کو ذہنی الجھن میں مبتلا رکھنا اور ملک کی سلامتی کو پس انداز کرتے ہوئے ملک کو فرقہ وارانہ رنگ میں رنگتا رہا ہے، جس کو اس ملک کی ترقی، استحکام اور سلامتی میں معاون نہیں کہا جاسکتا، فرقہ پرست، جماعتوں کے اتحاد ہی کا دور تھا، جس میں ملک کے بدترین فسادات رونما ہوئے گجرات فسادات نے عالمی سطح پر ملک کی شبیہ کو داغ دار کیا، ملک کے ایسے بھیانک فسادات تھے جس میں مخصوص طبقہ کے لوگوں کو زندہ جلایا گیا، زندہ ماں کا پیٹ چاک کر کے جنین کو نذر آتش کیا گیا، انسانوں کے ہاتھوں کھیلا گیا ورندگی کا یہ ناچ، فرقہ پرست جماعتوں کے دور اقتدار کا کارنامہ ہے، جس کو ہندوستان ہی نہیں، دنیا کا کوئی بھی انصاف پسند اور ہمدرد انسانیت کسی شکل میں بھلا نہیں سکتا، بے یارومددگار انسانوں کی وہ سسکتی، بلکتی اور انسانیت کی بھیک مانگتی تصویریں دنیا کو آج بھی اشکبار کرتی ہیں۔

اسی لئے ضرورت ہے کہ ملک کی طاقتور سیکولر جماعتیں جن کی درحقیقت سب سے بڑی قوت ان کا سیکولر کردار اور سیکولرزم کے تحفظ کے لئے ملک کے عوام کی جانب سے انہیں ملنے والا اعتماد ہے، ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کو فرقہ پرستوں سے محفوظ رکھنے کے لئے متحد ہوجائیں، انہیں ملک کے سیکولر افراد کا ووٹ ان کے سیکولرزم کے محافظ ہونے کی وجہ ہی سے ملا ہے، ورنہ ان کے انتخاب کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔

جہاں تک تیسرے محاذ کا تعلق ہے اس کا ایک اتحاد بنام ''عظیم اتحاد'' ریاست آندھرا پردیش میں بھی دیکھنے میں آیا، جس کی ڈور تلگودیشم پارٹی کے ہاتھ میں تھی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ تلنگانہ کے نام پر روٹیاں توڑنے والے کے سی آر بھی تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کے ساتھ اس میں شریک تھے، آندھراپردیش کے اسمبلی انتخابات کا مرحلہ ختم ہوا تھا کہ کے سی آر اپنی موقع پرستانہ چال چلتے ہوئے این ڈی اے سے ہاتھ ملا بیٹھے، جو ریاست کے مسلم طبقہ اور سیکولر ووٹروں کے لئے جنہوں نے عظیم اتحاد اور ٹی آر ایس کو ووٹ دیا تھا بڑی تکلیف کی بات ہے، کے سی آر این ڈی اے کے ساتھ اپنی مفاہمت کو تلنگانہ کاز کا حصہ بتا رہے ہیں، جب کہ سیاسی مبصرین اس کو کے سی آر کے موقع پرستی اور پیسہ کی کمزوری سے تعبیر کررہے ہیں۔

تیسرے محاذ کے ساتھ ریاست آندھراپردیش کے انتخابات میں حصہ لینے والی سیاسی جماعت کا این ڈی اے کی تائید کرنا اور ایک ایسے شخص کی وزارت عظمیٰ کے لئے حامی بھرنا جو ملک میں فرقہ وارانہ تشدد بھڑکانے کا ذمہ دار اور انسانی لاشوں پر اقتدار کی کرسی رکھنے والا ہے، انتہائی حیران کن ہے، ایسے حالات میں ضرورت ہے کہ ملک کی بڑی سیکولر طاقتیں بشمول کانگریس وکمیونسٹ پارٹی اپنی شیرازہ بندی کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ اختلاف ملک کی باگ ڈور، فرقہ پرست ہاتھوں میں سونپ دے۔ ●●

جدید تہذیب کے علمبرداروں کا اندازِ تفتیش

ترجمہ: ابوالعین

جوزف مارگولس کا ابوزبیدہ کے بارے میں واشنگٹن پوسٹ میں تجزیہ قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش ہے۔ امریکہ میں صدر اوبامہ نے حال ہی میں سی آئی اے کے اندر تفتیش پر بات کی ہے۔ القاعدہ اور طالبان کے نام پر ۲۰۰۱ء اور اس کے بعد پکڑے جانے والوں پر کیا بیتی، دنیا آہستہ آہستہ اس سے آگاہ ہورہی ہے۔ ابوزبیدہ کیا تھا اور اس کے ساتھ کیا ہوا، اس سے جدید تہذیب اور لبرل ازم کے علمبردار امریکہ نے کیا سلوک کیا، اسی کے ایک اخبار نویس نے اس کا احاطہ کیا ہے، خود فیصلہ کیجئے کہ تہذیب کس شئے کا نام ہے اور......

ہم نے حال ہی میں تشدد کے بارے میں یادداشتوں کے بارے میں پڑھا اور سنا ہے، واٹر بورڈنگ اور ایک ڈبے میں کیڑے چھوڑنا اسی کا حصہ ہے یہ ہمارے ماضی کے بارے میں تکلیف دہ انکشاف بھی ہے اور ہمارے مستقبل کے حوالے سے سنجیدہ بحث کا موضوع بھی ہے۔ اری زونا سے سینیٹ کے رکن جان مکین نے تشدد کے بارے میں بات کی تھی انہوں نے ہمیں بالکل درست یاد دلایا تھ۔ انہوں نے کہا تھا ''یہ معاملہ یہ نہیں کہ وہ کون ہیں، یہ تو معاملہ یوں ہے کہ ہم کون ہیں۔'' لیکن شاید ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جسے ایک بورڈ کے ساتھ باندھ دیا گیا وہ ایک انسان تھا۔ اس کا نام زین العابدین محمد حسین ہے جسے دنیا ابوزبیدہ کے نام سے جانتی ہے اسے مارچ ۲۰۰۲ء میں پاکستان سے گرفتار کیا گیا۔ بش انتظامیہ کو یقین تھا کہ وہ القاعدہ کا ایک اہم سرگرم رکن ہے۔ اس کی نظربندی اور پھر اس کی تفتیش ہاتھوں کو سختی سے بھینچ لینے پر مجبور کردیتی ہے جہاں تک ہم بتا سکتے ہیں، پوری امریکی تاریخ میں وہ پہلا قیدی ہے جس پر ہونے والے تشدد نے امریکہ میں ایک بحث اٹھادی، جس پر تشدد کے لئے براہ راست وائٹ ہاؤس سے احکامات جاری ہوئے اور یہ پہلا فرد ہے جو سی آئی اے کے تاریک گڑھوں کے حوالے کردیا گیا۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ کا وہ پہلا قیدی تھا جس پر ۱۹۵۰ء کے عشرے میں کمیونسٹوں کے اختیار کردہ طریقہ تفتیش کو آزمایا گیا اس پر وہی پرانے طریقے اور حربے آزمائے گئے۔ پچاس سال بعد ان ہتھکنڈوں اور حربوں کو آزمانے کی منظوری امریکہ کے شعبہ انصاف نے دی وہ پہلا قیدی تھا جس پر تشدد کی پوری فلم تیار کی گئی۔ یہ کام سی آئی اے نے ۲۰۰۲ء کے بعد چھوڑ دیا تھا۔

دو سال بعد سی آئی اے نے اس پر تشدد کی ۹۰ ویڈیو فلمیں ضائع کردیں، ابوزبیدہ سے تفتیش کے اس مواد کی بربادی نے سرکاری حکام کے خلاف مجرمانہ تحقیقات کا آغاز کردیا۔ ابوزبیدہ سے تفتیش کے بارے میں اٹھنے والے بہت سے سوالات کا جواب نہیں دیا جاسکے گا۔ لیکن اس سے اس تفتیش کے تین میں سے دو حصوں کی تفصیلات موجود ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے ابوزبیدہ کو مارا۔ اس بارے میں محکمہ انصاف نے تصدیق کی ہے اور ریڈ کراس نے بھی اسے بیان کیا ہے کہ اس کی گردن کو ایک کالر سے کس دیا گیا، پھر اس کالر سے اسے کھینچ کر بار بار ایک دیوار سے ٹکرایا گیا اسے ایک چھوٹے سے باکس میں مکمل تاریکی کے ساتھ مسلسل کئی گھنٹوں بند رکھا گیا اسے برہنہ کردیا گیا۔ اسے اس حالت میں چھت سے لٹکا دیا گیا اور مسلسل کئی دن جاگنے پر مجبور کیا گیا۔

پھر اسے ایک بورڈ کے اوپر الٹا لٹکا دیا گیا۔ اس کے چہرے پر ایک گیلا کپڑا باندھ دیا گیا۔ اس حالت میں اس کی ناک پر مسلسل پانی ڈالا جاتا رہا۔ اس طرح سے اسے اس خطرے سے دوچار کردیا گیا کہ وہ ڈوب رہا ہے۔ اسے واٹر بورڈنگ کہا جاتا ہے۔ اسے ۸۳ مرتبہ اس طرح سے تشدد سے گزرنا پڑا۔

میں اسے دوسروں پر چھوڑتا ہوں کہ وہ اس تشدد کو کیا نام دیں گے۔ میں اپنے طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ یہ غلط تھا اس پر تشدد کی یہ قیامت نائن الیون کے جرم میں توڑی گئی۔ انہوں نے اسے بری طرح سے مارا پیٹا۔ ان کے خیال میں ابوزبیدہ ایک انسان نہیں تھا۔ وہ ایک برائی تھا۔ اس کی گرفتاری کے فوری بعد جارج ڈبلیو بش نے اسے القاعدہ کے تین ٹاپ راہنماؤں میں سے ایک قرار دیا تھا۔ اسے القاعدہ کا چیف آف آپریشنز بتایا گیا تھا۔ اس سے تفتیش کا حکم سی آئی اے نے دیا تھا اس کے بارے میں خبردار کیا گیا تھا کہ اسے بالکل خشک کردیا جائے۔

اب ہم سب جانتے ہیں کہ ابوزبیدہ وہ سب میں سے کچھ بھی نہیں تھا جو صدر بش کہتے رہے۔ وہ کبھی القاعدہ کا رکن نہیں رہا۔ اس بارے میں پہلا صحیح سوال صحافی ران رسکن نے کیا تھا۔ ۲۰۰۶ء میں انہوں نے اپنی کتاب میں ابوزبیدہ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ ایک عام سا کلرک تھا۔ اس کی حیثیت ایک ٹریول ایجنٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ بعد میں اس کے بارے میں واشنگٹن پوسٹ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اسے محکمہ انصاف کے حکام نے ایسا فرد بتایا تھا جس کو کسی بڑے راہنما کے طور پر پیش کرنا مضحکہ خیز اقدام تھا حال ہی میں نیویارک ٹائمز نے موجودہ اور سابق انٹیلی جنس افسروں کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس کے بارے میں پہلے کی رپورٹیں انتہائی مبالغہ آمیز تھیں۔ اس کے بارے میں سی آئی اے کو شدید غلط فہمی ہوئی تھی۔

پس انہوں نے ایک کلرک پر تشدید تشدد کیا۔ وہ جس نوعیت کے کرب سے گزرا، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسے اس دوران میں جو زخم لگے، وہ ان زخموں سے کہیں زیادہ تھے جو اسے کمیونسٹ روس کا افغانستان میں مقابلہ کرتے ہوئے لگے۔ اسے شدید قید تنہائی نے بھی بڑے زخم دیئے۔ اب وہ اپنی ذہنی کیفیت کے کھوجانے کے زخم سے دوچار ہے۔ وہ اندھا کردینے والا سر درد سے دوچار ہے۔ وہ ذہن کی مسلسل تباہی کے عمل سے دوچار ہے وہ آوازوں کو سن کر شدید کرب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اسے یوں لگتا ہے کہ وہ کچھ ایسا سن رہا ہے کہ جو کسی نے کبھی نہ سنا ہو ہلکی سی آواز بھی اسے حواس سے بیگانہ کردیتی ہے۔ وہ پاگل ہوجاتا ہے۔ گزشتہ دو سالوں میں اسے اس طرح کے ۲۰۰ دورے پڑ چکے ہیں۔

جسمانی تکلیف ایک ایسی کیفیت ہے جو ٹل بھی جائے گی۔ اسے جس ذہنی اذیت کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ اندھیرے بڑھتے جارہے ہیں۔ وہ اپنی ماں کی شکل وصورت بھول چکا ہے۔ اسے اپنے والد کا نام یاد نہیں۔ آہستہ آہستہ اس کا ماضی اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اس کا مستقبل تو یوں بھی کوئی نہیں۔ جان مکین نے درست کہا تھا۔ یہ ہم ہیں کہ جانیں کہ ہم کون ہیں۔ ہم وہ نہیں ہوسکتے جو کسی اور انسان کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ ●●

بقیہ:- حیرت انگیز انتخابی نتیجے

کیونکہ یوپی اے میں شمولیت کا مطلب وزارت میں شامل ہونا ہے۔

اس انتخاب میں بائیں بازو محاذ کو بھی لوگوں نے مسترد کردیا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ چودھویں لوک سبھا میں اس محاذ کا بڑا اہم کردار تھا۔ بائیں محاذ والوں نے اپنی ہار بھی تسلیم کرلی ہے۔ کانگریس کے لئے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ ہے کہ اس نے اترپردیش میں قدم جمالیا ہے اور یہ اس لئے ہوا کہ ملائم سنگھ اور مایاوتی سے بدظن مسلمانوں کے ووٹ کانگریس کو ملے۔ یہ الگ بات ہے کہ رام پور میں کانگریس کی نور بانو نہیں جیت سکیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلیان سنگھ کی وجہ سے مسلمان سماجوادی پارٹی سے بدظن ہوگئے ہیں۔ بہار میں مسلمانوں نے کھل کر جنتا دل (یو) کا ساتھ دیا۔ وہاں کے لوگوں نے پچھلے تین برسوں میں وزیراعلیٰ نتیش کمار کے ذریعے کئے گئے ترقیاتی کاموں کو دیکھا اور جنتا دل (یو) کے بی جے پی کے ساتھ تعلقات کو پوری طرح نظر انداز کردیا۔ نتیش کمار نے بھی مسلمانوں کے جذبات کا پورا خیال رکھا۔ انھوں نے پوری انتخابی مہم سے گجرات کے وزیراعلیٰ نریندر مودی کو دور رکھا۔ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ بہار میں سشیل مودی پہلے سے موجود ہیں اس لئے نریندر مودی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی حکمت عملی اڑیسہ میں بیجو جنتا دل نے اختیار کی۔ وزیراعلیٰ نوین پٹنائک نے بی جے پی کو دور رکھ کر پارلیمانی اور اسمبلی دونوں انتخابات میں عظیم کامیابی حاصل کی۔ اب بی جے پی کو اپنی حیثیت پر غور کرنا چاہئے۔ وزیراعلیٰ نریندر مودی سے اسے گجرات میں بھلے ہی فائدہ ہوا ہے لیکن قومی سطح پر نقصان ہی ہوا ہے۔

دہلی میں کانگریس کا ساتوں سیٹوں پر قبضہ وزیراعلیٰ شیلا دیکشت کا کمال کہا جاسکتا ہے۔ انھوں نے بھی ترقی کو بنیاد بنایا اور بی جے پی کو ایک بھی سیٹ پر نہیں لینے دی۔ قابل ذکر ہے کہ حال ہی میں ہوئے اسمبلی انتخاب میں بھی کانگریس نے شاندار کامیابی حاصل کی تھی اور اس کامیابی کا سہرا بھی شیلا دیکشت کے سر ہی باندھا گیا تھا۔

بہرحال اب جبکہ کانگریس پر عوام نے پھر بھروسہ کیا ہے تو اس کی بھی ذمے داری ہے کہ فرقہ پرستوں سے ہوشیار رہے۔ محض ایک دو سیٹوں کے لئے ملائم سنگھ یادو کی طرح اپنے سیکولر کردار کو داغدار نہ بنائے۔ آج ملائم سنگھ یادو کو فرقہ پرستوں کا ساتھ حاصل کرنے کی ہی قیمت چکانی پڑی ہے۔ ●●

عالم اسلام کے نام ''نیٹو'' کا پیغام

ترجمہ: مسعود الرحمن خاں ندوی

حق وعدل کے دفاع کے جرأت وہمت دکھا کر ایک بار پھر رجب طیب اردغان وزیراعظم ترکی نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، غزہ ہولوکاسٹ کے دوران دنیا نے صہیونیوں کے خلاف ان کی جرأتمندانہ تنقید کو سنا تھا، پھر ڈیووس کانفرنس میں فلسطینی حق کے لئے اسرائیلی صدر شیمون پیریز اور امریکی صدر کانفرنس سے ان کی ٹکر اور واک آؤٹ دیکھ کر سب نے ان کی ملی غیرت وحمایت اور شجاعت کی داد دی تھی، اب پھر انہوں نے اسلامی غیرت وحمایت کا ثبوت دیتے ہوئے ۴؍اپریل ۲۰۰۹ء کو نیٹو کے اجلاس میں ڈنمارک کے وزیراعظم انڈرسفور راسموسن کی نیٹو کی صدارت کے لئے تقرری کی تصدیق سے درج ذیل وجوہ سے انکار کردیا:

(۱) ڈنمارکی اخبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گستاخانہ کارٹونوں کی اشاعت کے المیہ میں راسموسن کا موقف منفی تھا، انہوں نے عالم اسلام سے اس گستاخی پر معافی مانگنے سے اس بہانے انکار کردیا تھا کہ وہ صحافت کی آزادی کا احترام کرتے ہیں۔

(۲) راسموسن ترکی یورپی یونین میں شامل ہونے کی سخت خلاف ہیں۔

(۳) انہوں نے ڈنمارک میں کردی ٹیلویژن چینل کھولنے کی چار برس سے اجازت دے رکھی ہے۔

ان بنیادوں پر اُردوغان نے راسموسن کی نامزدگی مسترد کرنے کا اعلان کیا اور ان کی نامزدگی کے خلاف اپنے ذاتی تحفظات کی ان کو اطلاع بھی دے دی، اور یہ بھی بتایا کہ کئی اسلامی ممالک نے ان سے اس تقرری کی مخالفت کرنے کی اپیل کی ہے۔ پھر وہ اپنے اس موقف پر اس وقت تک مصر رہے جب تک کہ صدر امریکہ اوباما نے ان سے فرانسیسی شہر سٹراسبرگ میں ملاقات کر کے یہ وعدہ نہ کیا کہ ترکی کے تمام ملاحظات کا نوٹس لیا جائے گا، اس کے بعد اردوغان نے اپنے اعتراضات کے واپس لینے کا اعلان کیا، اور ٹیلویژن چینلوں کو بتایا کہ صدر اوباما نے ضمانت دی ہے کہ راسموسن کا ایک نائب ترکی ہوگا اور نیٹو کی قیادت میں بھی ترک رہنماؤں کی نمائندگی ہوگی اور بالفعل ترکی کے بیشتر مطالبات کی فوری تنفیذ ہوگی۔ نیز راسموسن نے نیٹو کے سکریٹری جنرل کی حیثیت سے تقرر کے بعد اپنے پہلے خطاب میں دینی خصوصیات کے احترام، آزادی رائے اور پوری آزادی کے ساتھ دینی شعائر پر عمل کے حق کی حمایت کا وعدہ کیا، پھر انقرہ میں ''تہذیبوں کے اتحاد'' کی دوسری کانفرنس میں اپنی تقریر میں کہا: ''نیٹو کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ گفتگو میری اہم ڈیوٹی ہوگی، اور ۲۰۰۶ء میں ڈنمارکی اخبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گستاخانہ خاکوں کی وجہ سے پیدا شدہ اختلاف پر کسی تاخیر کے بغیر فوری غوروفکر کی خواہش ظاہر کی۔ یہ بات صحیح ہے کہ راسموسن نے (جو بائیں بازو کا لیڈر اور اسلام سے کد رکھنے والی کنزرویٹو پارٹی کا حلیف ہے) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گستاخی پر صراحتاً معذرت نہیں کی ہے لیکن وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی موقف سے کافی کھسکا ہے، اور اس کا سبب

باقی صفحہ ۶ پر

خطوط و مسائل

مسلم رہنماؤں کا بیان - چند معروضات

حال ہی میں بعض مسلم رہنماؤں کا ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ''طالبان'' غیر مسلموں سے جو جزیہ وصول کررہے ہیں وہ غلط اور غیر شرعی ہے۔ پھر جزیہ کی اصطلاح سے پوری فقہی بحث کی گئی تھی۔ اس بیان کو ۱۰؍مئی کے خبرونظر کالم میں موضوع بنا کر کہا گیا تھا کہ یہ بیان جلد بازی میں جاری کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں صاحب کا مراسلہ موصول ہوا جسے ۱۹؍مئی کے شمارے میں شائع کر کے نیچے اعلان کیا گیا تھا کہ اس بیان پر ایڈیٹر کا نوٹ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ آئندہ شمارہ ۲۲؍مئی کا تھا مگر اس میں کسی وجہ سے نوٹ شائع نہیں ہوسکا اب اس شمارے میں شائع کیا جارہا ہے:

---

(۱) مسلم رہنماؤں کا یہ بیان ان خبروں کو من وعن درست تسلیم کر کے جاری کیا گیا تھا جو ملکی اور بین الاقوامی میڈیا میں بڑے پیمانے پر آئی تھیں۔ اور یہ وہی میڈیا ہے جو اسلام، شریعت اسلامی اور باعمل مسلمانوں کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ واقعات کو منی پلیٹ manipulate کرتا ہے۔ رائی کا پہاڑ بنا دیتا ہے۔ میڈیا کی اس بددیانتی کی شکایت یہ مسلم رہنما بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہاں انہوں نے اسی میڈیا کی شرانگیزی کو حقیقت مان کر تبصرہ کیا ہے۔ اس کے کسی پہلو کو چیلنج نہیں کیا۔ اپنے بیان کو یہ کہہ کر مشروط بھی نہیں کیا کہ ''اگر یہ اطلاعات درست ہیں تو...'' (۲) مراسلہ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ انٹرنیٹ سے ایسی بیسوں خبریں ملیں جن میں سکھوں پر ظلم کے بارے میں بتایا گیا ہے، اور ہمارے رہنماؤں نے ان شرانگیز خبروں کو درست تسلیم کرلیا، انہیں سورۃ الحجرات کی یہ رہنمائی یاد نہیں آئی کہ ''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں تم کسی گروہ کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔'' پاکستانی اخباروں میں ان خبروں کا چھپنا ان کے سچ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ پاکستان کی حکومت کی طرح وہاں کا پریس خصوصاً انگریزی پریس بھی دباؤ میں ہے اور بے راہ رو ہوگیا ہے۔ غلط فہمیاں پیدا کررہا ہے۔ ڈان میں کچھ گھروں کی مسماری کی تصویر چھپی ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ مسمار شدہ گھر سکھوں کے ہی تھے؟ اور اگر تھے بھی تو یہ یقین کیسے کیا جائے کہ ''طالبان'' نے اجاڑے ہیں؟ کیا امریکہ کے ڈرون حملوں یا پاکستانی آرمی کی بمباری میں نہیں مسمار ہوسکتے تھے؟ پھر یہ کہ اسی طرح سیکڑوں مکانات مسمار ہوئے ہیں۔ (۳) لاہور فون کرنے کے بعد خیال آیا تھا کہ مشاورت کے دفتر سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہئے، نہ کرنے کا افسوس بھی رہا لیکن رہنماؤں کا مراسلہ پڑھنے کے بعد افسوس جاتا رہا۔ اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ یہی وضاحت کی جاتی جو اس مراسلہ میں کی گئی ہے۔ (۴) ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، غلط فہمی رہنماؤں کے بیان سے پیدا ہوئی ہے۔ (۵) اس سادہ لوحی یا خوش فہمی کا جواب نہیں کہ مسلم رہنماؤں کے بیان کی وجہ سے فسطائی ذہنیت رکھنے والوں نے اپنی مہم بند کردی ہے اور اسلام ومسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بیان کے بعد بھی کئی مظاہرے ہوئے اور یہ شرارت آج بھی جاری ہے۔ شرانگیز خبریں اسی لئے پھیلائی گئی تھیں کہ لوگ مظاہرے کریں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ماحول تیار ہو۔ (۶) صوفی محمد اور ان کے ساتھیوں کی تحریک کے نتیجہ میں پندرہ لاکھ سے زیادہ افراد بے گھر ہوئے ہیں، ان میں سکھوں اور ہندوؤں کی تعداد پندرہ سو بھی نہیں، یعنی کوئی فیصد ہی نہیں بنتا۔ پھر پاکستان گرودوارہ پربندھک کمیٹی کے سربراہ سردار بشن سنگھ کا یہ بیان ۴؍مئی کے انڈین ایکسپریس میں آچکا ہے کہ سکھوں کے ساتھ قبائلی مسلمانوں کا رویہ نہایت نرم ہے، وہ کچھ رقم طلب کرتے ہیں، جس طرح مسلمانوں سے کرتے ہیں، تو انہیں دے دی جاتی ہے۔ جب کہ مسلمانوں پر وہ زیادہ سختی کرتے ہیں اور رقم نہ ملنے پر انہیں مار بھی دیتے ہیں۔ اغوا کے جتنے بھی واقعات ہوئے وہ سب مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۷) گزشتہ چند روز کے دوران انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع سے کافی حقائق جمع کئے گئے جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ طالبان کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی یہ مہم اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد امریکہ نے اسلام اور امت اسلام کے خلاف چھیڑ رکھی ہے۔ پروپیگنڈا اس کا خاص ہتھیار ہے۔ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں مغربی میڈیا کا جواب نہیں، انڈین میڈیا نے یہ آرٹ اسی سے سیکھا ہے۔ (۸) اس دوران یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ ''طالبان'' اگر کسی سے کچھ وصول کرتے ہیں تو اسے ''جزیہ'' کا نام نہیں دیتے۔ یہ سیدھا سادہ extortion (رقم جبراً وصول کرنے) کا معاملہ ہے جسے اسلام دشمن عناصر ''جزیہ'' کا نام دے رہے ہیں۔ گویا اس ایکسٹورشن کو جزیہ کا نام دینا ایک شرارت اور گہری سازش ہے اور طالبان اس سے بے خبر ہیں کہ ان کی اس حرکت کو جزیہ کہا جارہا ہے۔ ویسے جبریہ وصولی کی خبریں بھی مبالغہ آمیز ہیں۔ (۹) مسلم رہنماؤں نے جزیہ کی اصطلاح سے باقاعدہ بحث کی ہے اور اسلوب یہ ہے کہ گویا کوئی مسلم ملک ہے جہاں کی حکومت یا حکام اپنے شہریوں سے باقاعدہ ''جزیہ'' وصول کررہے ہیں۔ جب کہ ایسی کوئی بات سرے سے ہے ہی نہیں۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

(۱۰) دراصل صورت حال کے جس پہلو سے ہمارے یہ مسلم رہنما صرف نظر کررہے ہیں وہ ہے اس خطے میں امریکہ کا ایجنڈا۔ امریکہ نے پاکستان میں خانہ جنگی کی صورت پیدا کردی ہے۔ اربوں ڈالر دے کر مسلمانوں سے مسلمانوں کو مروا رہا ہے۔ طالبان کے نام پر غیور مسلمانوں کی کردار کشی کررہا ہے۔ اور بعض مسلمان اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ جب کہ فراستِ مومنانہ کا تقاضا تھا کہ نام نہاد طالبان کے تعلق سے آنے والی اِن خبروں کو اُس پوری صورت حال کے تناظر میں دیکھا جاتا جو گزشتہ چند برسوں سے اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف پیدا کردی گئی ہے — ایڈیٹر

امریکی صحافی کی رہائی

خبر ہے کہ امریکی دباؤ کے تحت ایرانی نژاد امریکی صحافی رُخسانہ صابری کو ایران نے جاسوسی کے الزام سے بری کردیا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اِسی امریکہ میں بے قصوروں کو صرف شک کی بنا پر برسوں پریشان کیا جاتا ہے۔ اذیتیں دی جاتی ہیں اور ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا جیلوں میں سڑ رہے ہوتے ہیں۔ لاکربی طیارہ کے ملزمین کو لیبیاء سے حاصل کر کے ہی امریکہ نے دم لیا جس میں کچھ جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ اس کے برخلاف ایران کے طیارے کو ہوا میں شعلہ زن کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ غلطی سے ہوگیا۔ کرنل قذافی کے قصر پر بم اندازی کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ غلطی سے ہوگیا۔ اِن کی غلطی، غلطی نہیں ایک ادا چاہے اس کی وجہ سے کتنی ہی جانیں کیوں نہ چلی جائیں۔ یہ غلطیاں ایک مکمل عملہ کے بغیر ناممکن ہیں۔ ملٹری وہ جگہ ہے جہاں کوئی شخص اپنی من مانی نہیں کرسکتا۔ حکام اعلیٰ، احکام سوچ سمجھ کر دیتے ہیں۔ ماتحت منتظمین اس کو روبہ عمل لانے کے لئے کئی مراحل سے گزارتے ہیں تب کہیں جا کر کارروائی ممکن ہوتی ہے۔ کسی بھی محکمہ میں ملٹری کی طرح کے ڈسپلن کا شائبہ بھی ملنا مشکل ہے۔ غلطی کہاں کی گئی۔ غلطی کرنے والوں کو کیوں نہیں پکڑا گیا۔ انہیں منظر عام پر کیوں نہیں لایا گیا۔ ایسے کئی شبہات کے جواب جس کا انتظار ہی ہے۔ یاد رہے کہ چند سال قبل خبر آئی تھی کہ امریکہ نے ایک خطیر رقم ایران میں اندرونی کارروائیاں کروانے کے لئے جاری کی ہے۔ ہوسکتا ہے اُس طبقہ میں سے ایک یہ صحافی رُخسانہ صابری بھی ہو۔ کوئی مشرقی صحافی مغرب میں پکڑا جائے تو اس صحافی کا اپنا ملک تو بہت دور کی بات دیگر ممالک مل کر بھی اُسے چھڑا نہ سکیں گے۔

ابوالمجاہد احمد جریر، بنجارہ ہلز، حیدرآباد

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● نئی دہلی- لوک سبھا انتخابات کے بعد یو پی اے کی پہلی میٹنگ میں راشٹریہ جنتادل اور ایل جے پی کے رہنماؤں کو باہر رکھا گیا کانگریس کی صدر سونیا گاندھی پھر سے یو پی اے کی چیئرمین منتخب ہوگئیں۔

● نئی دہلی- کانگریس کی طرف سے منفی اشارہ ملنے کے بعد راشٹریہ جنتادل کے صدر لالو پرساد یادو نے کہا ہے کہ انہیں مرکز میں بننے والی یو پی اے سرکار میں وزارت کے عہدے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

● الٰہ آباد- الٰہ آباد ہائی کورٹ نے اتر پردیش کے ڈائرکٹر جنرل پولیس (ڈی جی پی) وکرم سنگھ کو یہ ہدایت دی کہ یا تو وہ مایاوتی حکومت کے ذریعہ برطرف ۱۸ہزار پولیس کانسٹبلوں کو بحال کرنے کے عدالت کے حکم کی تعمیل کریں یا پھر توہین عدالت سے متعلق فرد جرم لگانے کے لئے ۲۷رمئی کو عدالت میں حاضر ہوں۔

● حیدر آباد- آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر وائی ایس راج شیکھر ریڈی نے مسلسل دوسری بار وزیر اعلیٰ کے عہدہ کا حلف لے لیا۔

● نئی دہلی- ہندوستان نے ۲۶/۱۱ کے ممبئی حملوں کے بارے میں پاکستان کی جانب سے مانگی گئی کچھ مزید اطلاعات کی تفصیل پاکستانی ہائی کمیشن کو سونپ دی ہے۔

● لکھنؤ- راشٹریہ لوک دل کے لیڈر منا سنگھ چوہان نے کہا ہے کہ ان کی پارٹی کی کانگریس میں نہ تو انضمام کی کوئی تجویز ہے اور نہ ایسا کیا جائے گا۔

● لکھنؤ- بہوجن سماج پارٹی نے دارا سنگھ چوہان کو لوک سبھا میں پارٹی کا لیڈر منتخب کیا ہے۔

● نئی دہلی- بہار میں لوک سبھا انتخابات میں تمام نشستوں پر شکست کھانے والی لوک جن شکتی پارٹی نے انتخابی نتائج کا جائزہ لیا اور کسی بھی دوسری پارٹی کے ساتھ نہ جانے کا فیصلہ کیا۔

● دہرہ دون- بہوجن سماج پارٹی نے اتراکھنڈ میں اپنی تمام اکائیوں کو تحلیل کرتے ہوئے پارٹی مخالف سرگرمیوں میں ملوث دو ممبران اسمبلی کو بھی معطل کردیا۔

● نئی دہلی- کانگریس کے لیڈر پرنب مکھرجی نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں کہا کہ ترنمول کانگریس کی صدر ممتا بنرجی مغربی بنگال کی اگلی وزیر اعلیٰ ہوسکتی ہیں۔ لوک سبھا انتخابات میں جس طرح عوام نے بائیں بازو کو مسترد کیا ہے اس سے ممتا بنرجی کے امکانات میں اضافہ ہوا ہے۔

● رانچی- پوری کے شنکر آچاریہ ادھوکشانند دیوتیرتھ نے کہا ہے کہ مرکز میں قائم ہونے والی نئی حکومت کے سامنے ملک میں سماجی اتحاد قائم رکھنا اور گجرات میں ہوئے قتل عام کے ذمہ داروں کو قانون کے حوالے کرنا سب سے بڑا چیلنج ہے۔

● چنئی- چندریان- ۱ کے مدار کو جو گزشتہ سات ماہ سے ۱۰۰ کلومیٹر کی بلندی پر واقع تھا اس میں ۲۰۰ کلومیٹر تک کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

● بھوپال- مدھیہ پردیش میں پارلیمانی انتخابات میں کانگریس ۲۹ میں سے ۱۲رنشستوں پر کامیاب ہوئی۔ اگر پارٹی کو بہوجن سماج پارٹی، سماج وادی پارٹی اور راشٹریہ جنتادل نے نقصان نہیں پہنچایا ہوتا تو یہ تعداد ۲۰ تک پہنچ جاتی۔

● جالندھر- پنجاب میں لوک سبھا انتخابات کے لئے کھڑے اُمیدواروں میں سے ۱۹۲ اپنی ضمانت نہیں بچاسکے۔

● بنگلور- مقامی پولیس نے گزشتہ برس جولائی میں ہوئے بم دھاکوں کے سلسلہ میں ۱۲۶ افراد کے خلاف فرد جرم داخل کردی ہے۔

● نئی دہلی- دہلی ہائی کورٹ نے راجدھانی دہلی میں پلاسٹک بیگ کے استعمال پر پابندی کو درست قرار دیتے ہوئے اس سلسلہ میں جاری نوٹیفکیشن پر روک لگانے سے انکار کردیا۔

● نئی دہلی- پارلیمانی انتخابات میں ۲۶۳ نشستیں لانے والی یو پی اے کو حکومت سازی کے لئے بغیر مانگے مزید ۶۱ ممبران پارلیمنٹ کی حمایت حاصل ہوگئی۔ سماجوادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی، راشٹریہ جنتادل، سیکولر اور متعدد پارٹیوں نے اپنی اپنی حمایت کا اعلان کردیا۔

بین الاقوامی

● جکارتہ- انڈونیشیا کا ایک فوجی ٹرانسپورٹ طیارہ جس پر ۱۱۰ افراد سوار تھے۔ مشرقی جاوا میں دھماکے کے ساتھ تباہ ہوگیا جس سے کم از کم ۹۷ افراد ہلاک ہوگئے۔

● کابل- کابل کے باہری علاقے میں امریکی سلامتی دستے پر ہوئے خودکش حملے میں دو امریکی فوجی مارے گئے۔ ادھر صدر حامد کرزئی نے فضائی حملے بند کرنے کی اپیل کی اور پچھلے ہفتے امریکی فضائی حملوں میں ہلاک ہونے والے بے گناہ شہریوں کے اعزہ سے اظہار تعزیت کیا اور ۱۴۰ افراد کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کی۔

● واشنگٹن- امریکہ نے شمال مغربی علاقوں سے بے گھر ہوئے افراد کی دیکھ بھال کے لئے حکومت پاکستان کو دس کروڑ ڈالر کی ہنگامی امداد کا اعلان کیا ہے۔

● جنیوا- اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے سری لنکا میں قومی مفاہمت کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ جنگ سے متاثرہ لوگوں کے کیمپوں اور سابقہ وارزون کا مشاہدہ کرنے کے لئے خود سری لنکا جائیں گے۔

● لندن- برطانوی پارلیمنٹ کے ایوان زیریں یعنی دارالعوام کے اسپیکر مائیکل مارٹن نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ان پر ممبران پارلیمنٹ کے اخراجات کے نظام میں اصلاح کی مخالفت کا الزام تھا۔

● تہران- ایران کے اعلیٰ مذہبی رہنما آیت اللہ علی خامنہ ای نے امریکہ پر اپنے ملک کے سرحدی علاقوں میں دہشت گردی کو بڑھاوا دینے کا الزام لگایا ہے۔

● واشنگٹن- امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے کہا ہے کہ امریکہ جوہری اسلحہ کی تیاری میں کمی لانے کے لئے لازمی طور پر اہم رول ادا کرے گا۔

● تہران- ایران میں آئینی امور پر نگاہ رکھنے والے ادارے شورائی نگہبان نے جون میں ہونے والے صدارتی انتخابات کے لئے چار امیدواروں محمود احمدی نژاد، مہدی کروبی، میر حسن موسوی اور مہدی رضائی کے ناموں کو منظوری دی ہے۔

● نیویارک- ایک امریکی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں سوائن فلو سے متاثرہ افراد کی تعداد دس ہزار سے تجاوز کرگئی جب کہ ۸۳ ہزار افراد کی موت ہوگئی۔

● تہران- ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے کہا ہے کہ ایران نے زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائل کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔

● اقوام متحدہ- اقوام متحدہ کے انسانی ہمدردی کے لئے کام کرنے والے محکمہ کے سربراہ جان ہولس نے کہا ہے کہ پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کی وادی سوات میں جاری لڑائی کے سبب بے گھر ہونے والوں کی تعداد بڑھ کر ۱۴ لاکھ سے زیادہ ہوگئی ہے۔

● جنیوا- اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے دنیا بھر میں جوہری ہتھیاروں میں تخفیف کے لئے بین الاقوامی سطح پر بات چیت شروع کئے جانے کی سبھی ملکوں سے اپیل کی ہے۔

● لاس اینجلس- امریکی انٹلی جنس ایجنسی سی آئی اے کے چیف لیون پینٹا نے کہا ہے کہ پاکستان میں جوہری اثاثے پوری طرح محفوظ ہیں اور امریکہ کو اعتماد ہے کہ پاکستان میں ان کی حفاظت کا مناسب انتظام ہے۔

● کابل- افغانستان کے صدر حامد کرزئی نے واشنگٹن ٹائمز میں شائع اس رپورٹ کی تردید کی ہے کہ وہ افغانستان میں امریکہ کے سابق سفیر زلمے خلیل زاد کو ملک کے چیف ایگزیکیٹو افسر کی ذمہ داریاں سونپنے والے ہیں۔

● ڈربن- جنوبی افریقہ میں تمل رہنماؤں نے بین الاقوامی برادری سے سری لنکا میں تملوں کے قتل عام کی جانچ کا مطالبہ کیا ہے۔

● رنگون- میانمار کی فوجی حکومت نے ۲۰رمئی کو پہلی بار بیرونی سفارتکاروں اور رپورٹروں کے سامنے جمہوریت حامی اپوزیشن لیڈر آنگ سان سوچی کے معاملہ کی سماعت کرائی۔

● اسلام آباد- ہندوستان اور پاکستان کے درمیان چلنے والی سمجھوتہ ایکسپریس میں ۴رجون سے ۳ردسمبر تک ہندوستانی بوگیاں لگائی جائیں گی کیونکہ پاکستانی بوگیوں کے ۶ ماہ پورے ہوگئے۔

پارلیمانی انتخابات میں ریاستی سطح پر پارٹیوں کی کارکردگی

پنجاب، کل نشستیں ۱۳

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۲	۸	۳۴٫۱۷	۴۵٫۲۳
بی جے پی	۳	۱	۱۰٫۴۸	۱۰٫۰۶
اکالی دل	۸	۴	۳۴٫۲۸	۳۳٫۸۵

راجستھان، کل نشستیں ۲۵

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۴	۲۰	۴۱٫۴۲	۴۷٫۱۹
بی جے پی	۲۱	۴	۴۹٫۰۱	۳۶٫۵۷
دیگر	صفر	۱	۹٫۵۷	۱۶٫۲۴

گجرات، کل نشستیں ۲۶

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۱۲	۱۱	۴۳٫۸۶	۴۳٫۳۸
بی جے پی	۱۴	۱۵	۴۷٫۳۶	۴۶٫۵۲

مدھیہ پردیش، کل نشستیں ۲۹

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۴	۱۲	۳۴٫۰۷	۴۰٫۱۴
بی جے پی	۲۵	۱۶	۴۸٫۱۳	۴۳٫۴۵
دیگر	صفر	۱	۱۷٫۸۰	۱۶٫۴۱

مہاراشٹر، کل نشستیں ۴۸

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۱۳	۱۷	۲۳٫۷۷	۱۹٫۶۱
این سی پی	۹	۸	۱۸٫۳۱	۱۹٫۲۸
بی جے پی	۱۳	۹	۲۲٫۶۱	۱۸٫۱۷
شیوسینا	۱۲	۱۱	۲۰٫۱۱	۱۷٫۰۰
دیگر	۱	۳	۱۵٫۲	۲۵٫۹۴

کیرلا، کل نشستیں ۲۰

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	صفر	۱۳	۳۲۲٫۱۳	۴۰٫۱۳
بائیں محاذ	۱۵	۴	۳۹٫۴۱	۳۷٫۹۲
دیگر	۵	۳	۲۸٫۴۶	۲۱٫۹۵

تمل ناڈو، کل نشستیں ۳۹

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۱۰	۸	۱۴٫۴۰	۱۵٫۰۳
ڈی ایم کے	۱۶	۱۸	۲۴٫۶۰	۲۵٫۱۰
اے ڈی ایم کے	صفر	۹	۲۹٫۷۷	۲۲٫۸۹
دیگر	۱۳	۴	۳۱٫۲۳	۳۶٫۹۸

ہریانہ، کل نشستیں ۱۰

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۹	۹	۴۲٫۱۳	۴۱٫۷۷
انڈین نیشنل لوک دل	صفر	صفر	۲۲٫۴۳	۱۵٫۷۷
دیگر	۱	۱	۳۵٫۴۷	۴۲٫۴۶

اترپردیش، کل نشستیں ۸۰

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۹	۲۱	۱۲٫۰۴	۱۸٫۲۵
بی جے پی	۱۰	۱۰	۲۲٫۱۷	۱۷٫۵۰
بہوجن سماج پارٹی	۱۹	۲۰	۲۴٫۶۷	۲۷٫۴۲
ساجوادی پارٹی	۳۵	۲۳	۲۶٫۷۴	۲۳٫۲۶
دیگر	۷	۶	۱۴٫۳۸	۱۳٫۵۷

بہار، کل نشستیں ۴۰

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۳	۲	۴٫۴۹	۱۰٫۲۶
بی جے پی	۵	۱۲	۱۴٫۵۷	۱۳٫۹۳
جنتادل متحدہ	۶	۲۲	۲۲٫۳۶	۲۴٫۰۴
راشٹریہ جنتادل	۲۲	۴	۸٫۱۹	۱۹٫۳۰

مغربی بنگال، کل نشستیں ۴۲

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۶	۶	۱۴٫۵۶	۱۳٫۴۵
ترنمول کانگریس	۱	۱۹	۲۱٫۰۴	۳۱٫۱۷
لیفٹ	۳۵	۱۵	۵۰٫۷۲	۴۳٫۳۰
دیگر	صفر	۲	۸٫۰۶	۹٫۱۴

آندھراپردیش، کل نشستیں ۴۲

پارٹی	نشستیں ۲۰۰۴ء	نشستیں ۲۰۰۹ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۴ء	ووٹوں کا تناسب ۲۰۰۹ء
کانگریس	۲۹	۳۳	۴۱٫۵۶	۳۸٫۹۵
تیلگو دیشم	۵	۶	۳۳٫۱۲	۲۴٫۹۳
دیگر	۸	۳	۲۵٫۳۲	۳۶٫۱۲

(نوٹ) مذکورہ اعداد وشمار صرف بڑی پارٹیوں کے دیئے گئے ہیں چھوٹی پارٹیوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے

لوک سبھا میں خواتین کی نمائندگی

سال	امیدوار	منتخب	کامیابی کا تناسب
۱۹۵۷	۴۵	۲۲	۴۸٫۹
۱۹۶۲	۶۶	۳۱	۴۷٫۰
۱۹۶۷	۶۷	۲۹	۴۳٫۳
۱۹۷۱	۸۶	۲۱	۲۴٫۴
۱۹۷۷	۷۰	۱۹	۲۷٫۱
۱۹۸۰	۱۴۳	۲۸	۱۹٫۶
۱۹۸۴	۱۶۲	۴۲	۲۵٫۹
۱۹۸۹	۱۹۸	۲۹	۱۴٫۷
۱۹۹۱	۳۲۶	۳۷	۱۱٫۴
۱۹۹۶	۵۹۹	۴۰	۶٫۷
۱۹۹۸	۲۷۴	۴۳	۱۵٫۷
۱۹۹۹	۲۸۴	۴۹	۱۷٫۳
۲۰۰۴	۳۵۵	۴۵	۱۲٫۷
۲۰۰۹	۵۵۶	۵۹	۱۰٫۶

بنام ارکان حلقہ بہار

مجلس شوریٰ حلقہ بہار کی خالی شدہ ایک نشست کو پُر کرنے کے لئے ارکان حلقہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں۔ موصولہ رایوں میں کثرت آراء سے ڈاکٹر عبدالباسط صاحب دربھنگہ نمبر شمار مطابق فہرست ۱۱۳ منتخب قرار پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔
قیم جماعت، جماعت اسلامی ہند، مرکز

ایک ضروری تصحیح

نئی دہلی- ۱۹رمئی کے شمارے میں اہم کامیاب اور ناکام امیدواروں کی ایک مختصر فہرست دی گئی ہے جس میں ناکام ہوجانے والے امیدواروں میں مینکا گاندھی اور پی چدمبرم کو بھی دکھایا گیا ہے۔ دراصل یہ خبر بناتے وقت جو آخری رجحان آیا تھا اس کی بنیاد پر کردیا گیا تھا لیکن جب الیکشن کمیشن نے نتائج کا اعلان کیا تو انہیں کامیاب قرار دیا۔ اسی طرح ۲۲رمئی کے شمارہ میں صفحہ ۶ پر ریاستی سطح پر پارٹیوں کی کارکردگی میں گجرات میں غلطی سے کانگریس کے کامیاب اُمیدواروں کی تعداد ۹ دی گئی جو ۱۱ ہے۔ پنجاب میں اکالی دل کے کامیاب اُمیدوار ۴ ہیں۔ ادارہ اس سہو کے لئے معذرت خواہ ہے۔

دعائے مغفرت

● حیدر آباد- جناب شبیر علی صاحب رکن جماعت اسلامی ہند حیدر آباد کا گزشتہ دنوں انتقال ہوگیا۔
نیجر: سب ڈپو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، حیدر آباد
مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

بقیہ: عالم اسلام کے نام ”نیٹو“...

ترکی کے موقف کی صلابت تھی جس کے دوران اُردغان اور ان کی جماعت عدالت وتحمیة نے بغیر کسی خوف وخطر کے دوبارہ اپنی اسلامی نسبت کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ ان کو ہر بار مغرب سے عزت واحترام ہی حاصل ہوا، ورنہ عالم اسلامی میں تو بہت سے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ اردغان کو غزہ میں صہیونی وحشیانہ درندگی کی مذمت کی وجہ مغرب کی طرف سے سخت پابندیوں کو سامنا کرنا ہوگا، مگر ہر ایک نے حیرت سے دیکھا کہ خلاف توقع مغرب کی ترکی کے ساتھ قربت ہی بڑھی۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اردغان نے نیٹو کے نئے سکریٹری جنرل کی تقرری کے خلاف اپنے ملک کے اعتراض کی وجہ سے ڈنمارک کی طرف سے اسلام کی توہین بتانے میں ہمارے بیشتر زعماء کی طرح شرح سے منہ نہیں چھپایا، پھر بھی ان کو حاضرین کی طرف سے عزت واحترام اور امریکی صدر کی طرف سے اس بات کی ضمانت ملی کہ راسموسن سے متعلق ان کے ملاحظات کا خیال رکھا جائے گا اور پھر اس کا خیال رکھا بھی گیا۔

یہ آدمی اپنے دین کی عزت اور وطن کی نسبت پر ایمان کے ساتھ اور اپنی قوم کی اکثریت کی تائید کی بنیاد پر قدم اٹھاتا ہے تو مغرب کو بھی اس کی عزت واحترام کے بغیر چارہ نہیں رہتا اور وہ اس کی بات غور سے سنتا ہے، یہ منظر نامہ اس کے بالکل برعکس ہے جو ہم اپنے بیشتر مطلق العنان ممالک میں دیکھتے ہیں کہ وہاں لوگوں نے فرضی انتخابات کے ذریعہ عوام سے چوری کرکے حکومت پر قبضہ کیا ظلم وزیادتی کے ساتھ اس سے چمٹے رہے اور حقیر قیمت میں ان ممالک کو بیچ ڈالا۔ (ہفت روزہ المجتمع، کویت، شمارہ ۱۸۴۷، ۱۱راپریل ۲۰۰۹ء، ص: ۱۳)

●●

پندرہویں لوک سبھا میں خواتین

کانگریس	۲۳
بی جے پی	۱۳
ترنمول کانگریس	۴
بہوجن سماج پارٹی	۴
سماج وادی پارٹی	۴
جنتادل متحدہ	۲
این سی پی	۲
اکالی دل (بادل)	۲
سی پی ایم	۱
ڈی ایم کے	۱
شیوسینا	۱
راشٹریہ لوک دل	۱
ٹی آر ایس	۱
کل	۵۹

مسجد اشاعت اسلام میں خطبہ جمعہ

احکام شریعت کی اتباع میں ہی فائدہ ہے

نئی دہلی- ۱۶رمئی کو مسجد اشاعت اسلام میں جناب اعجاز احمد اسلم سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے اپنے خطبہ جمعہ میں کہا کہ یہ شعوری زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہمارے ایک ایک عمل اور ہماری نیتوں پر اس کی نظر ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب کوئی قریبی عزیز، دوست یہاں تک کہ نبی اور ولی بھی کسی کے کام نہ آسکیں گے اور ہر شخص کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی۔ نوح اور لوط جیسے اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی بیویاں بھی شاہراہ ہدایت چھوڑ دینے کی پاداش میں غضب الٰہی کا شکار ہوئیں، جہنم میں انہیں جانے سے کوئی روک نہیں سکا اور نبیوں کی شریک حیات ہونا ان کے کام نہ آیا۔ ایک مشہور حدیث قدسی کے حوالے سے انہوں نے دین حق کی ان تعلیمات کو اجاگر کیا جو آج کے انسانی سماج کے لئے بیحد ضروری ہیں اور جن پر عمل کرکے وہ ظلم وزیادتی اور ناانصافی سے نجات پاسکتا ہے اور امن وآشتی، خوشحالی وفارغ البالی سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی عبادت واطاعت کرنے اور اس کے احکام وہدایات پر عمل کرنے میں ہماری بھلائی ہے اور شریعت کی اتباع نہ کرنے میں ہمارا نقصان ہے۔

انہوں نے کہا کہ کائنات کا نظام مبنی پر انصاف ہے اور وہ عدل وقسط کی بنیاد پر چل رہا ہے مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا مفاد حاصل کرنے، دوسروں کو نقصان پہنچانے اور اپنے حق وحصہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے انسانوں پر ظلم کرتا ہے جب کہ خالق ارض وسماء اعلان کرتا ہے کہ میں نے دوسروں پر ظلم کو حرام ٹھہرا لیا ہے لہٰذا تم لوگ آپس میں ظلم نہ کرو۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہم کسی پر کسی طرح کا بھی ظلم نہ کریں۔ (رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

ایران میں فارسی زبان میں تفسیر نویسی کی تاریخ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ میں ایک توسیعی خطبہ

ایران میں فارسی زبان میں تفسیر نویسی کا آغاز چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی سے ہوا ہے۔ سب سے پہلے مشہور عربی تفسیر جامع البیان، جسے تفسیر طبری کہا جاتا ہے، کا فارسی ترجمہ علماء کے ایک بورڈ نے انجام دیا، یہ ترجمہ طبری کی وفات (۳۱۰ھ) کے چالیس پینتالیس سال کے اندر کرلیا گیا تھا۔ اس ترجمہ کو فارسی زبان کی اولین تفسیر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان خیالات کا اظہار مشہور محقق، دانشور اور ماہر ایرانیات پروفیسر کبیر احمد جائسی، سابق چیئرمین ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز وڈائرکٹر ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی میں ایک توسیعی خطبہ دیتے ہوئے کیا۔

موصوف نے ایران میں فارسی زبان میں تفسیر نویسی کے عہد بہ عہد ارتقاء کا جائزہ لیتے ہوئے ہر عہد کی مشہور تفسیروں اور ان کے منہج تالیف اور اہم مباحث کا تعارف بھی کرایا۔ انہوں نے بتایا کہ ایران میں صفویوں کے عہد (۹۰۷-۱۱۳۵ھ) سے قبل کے فارسی مفسرین عموماً سنی تھے۔ صفوی دور میں جتنی تفسیریں لکھی گئیں وہ سب شیعی اصحاب قلم کی مرہون منت ہیں۔ انہوں نے بالخصوص ابوالفتوح رازی کی تفسیر روض الجنان (چھٹی صدی ہجری) معین الدین ہروی کی اسرار الفاتحہ اور تفسیر سورۂ یوسف (نویں صدی ہجری) ملا فتح اللہ کاشانی کی منہج الصادقین فی الزام المخالفین (دسویں صدی ہجری) اور ابوالفتح حسینی کی تفسیر شاہی اور شریف لاہجی کی تفسیر (گیارہویں صدی ہجری) کا تفصیل سے تعارف کرایا۔ پروفیسر موصوف نے اپنے خطبہ میں اس جانب بھی توجہ دلائی کہ فارسی تفسیروں کا مطالعہ اس پہلو سے بھی کیا جانا چاہئے کہ وہ کون کون سے الفاظ ہیں جو ایک صدی کے بعد متروک ہوگئے اور ان کی جگہ دوسرے الفاظ نے لے لی، یا وہ مستعمل تو رہے لیکن ان کے معانی ومفاہیم بدل گئے۔

اسی طرح اس کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہر صدی کے انداز بیان میں کیا فرق آیا ہے؟ کن ادوار میں عربی آمیز فارسی کا رواج تھا اور کب خالص فارسی کا چلن ہونے لگا؟ پروگرام کے آغاز میں کنوینر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے پروفیسر جائسی کی خدمات کا مختصر تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ موصوف کی شہرت ماہر ایرانیات کی حیثیت سے ہے۔ فارسی زبان وادب کے حوالے سے صدر جمہوریہ ایوارڈ (۱۹۹۴ء) ایرانی حکومت کے سعدی ایوارڈ (۲۰۰۸ء) اور دیگر اعزازات سے نوازے جاچکے ہیں۔ لیکن علوم اسلامیہ میں ان کا اہم کام یہ ہے کہ انہوں نے ایران میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی تفسیروں کا تعارف کرایا ہے۔ اس موضوع پر موصوف کے بہت سے مقالات ادارۂ تحقیق کے ترجمان سہ ماہی تحقیقات اسلامی میں شائع ہوچکے ہیں اور ان کی کتاب ”ایران میں فارسی کی چند اہم تفسیریں“ ہندوپاک دونوں جگہوں پر شائع ہوکر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہے۔ اس کتاب کی تین جلدیں تیار ہوچکی ہیں اور موصوف ان دنوں چوتھی جلد پر کام کررہے ہیں۔

پروگرام کی صدارت ادارۂ تحقیقات کے سابق رفیق مولانا سلطان احمد اصلاحی نے فرمائی۔ انہوں نے موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ سکریٹری ادارہ ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی کے اختتامی کلمات پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

دعائے صحت

● حیدر آباد- جناب احمد ابوسعید رکن جماعت اسلامی ہند حیدر آباد مرتب ”ذالک الکتاب“ کی اہلیہ آج کل شدید علیل ہیں اور اسپتال میں زیر علاج ہیں، موصوفہ کی جلد مکمل صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔
نیجر: سب ڈپو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، حیدر آباد

لوک سبھا میں مسلمانوں کی نمائندگی

سال	کل منتخب ممبران	منتخب مسلم ممبران	متوقع نمائندگی بلحاظ آبادی
۱۹۵۲	۴۸۹	۲۱	۴۹
۱۹۵۷	۴۹۶	۲۴	۴۹
۱۹۶۲	۴۹۴	۲۳	۵۳
۱۹۶۷	۵۲۰	۲۹	۵۶
۱۹۷۱	۵۱۸	۳۰	۵۸
۱۹۷۷	۵۴۲	۳۴	۶۱
۱۹۸۰	۵۲۹	۴۹	۵۹
۱۹۸۴	۵۴۲	۴۶	۶۲
۱۹۹۱	۵۳۴	۲۸	۶۵
۱۹۹۶	۵۴۳	۲۸	۶۶
۱۹۹۸	۵۴۳	۲۹	۶۶
۱۹۹۹	۵۴۳	۳۲	۶۶
۲۰۰۴	۵۴۳	۳۶	۷۲
۲۰۰۹	۵۴۳	۲۹	۷۲

تاریخ کے روشن چراغ

یعقوب سروش مدیر بساط ذکر وفکر

اُس کی آنکھیں آنسوؤں میں نہارہی تھیں۔ سناٹوں میں ڈوبی ہوئی رات سائیں سائیں کرتی ہوئی پچھلے پہر میں داخل ہوچکی تھی۔ وہ آج بڑا بے چین تھا۔ وقفہ وقفہ سے اس کے کانوں میں یہ الفاظ گونج رہے تھے ''اے مملکت اندلس کے باجبروت فرمانروا۔ تخت شاہی، اقتدار اعلیٰ اور زر وجواہر کی فراوانی نے تمہاری عقل وخرد پر غفلت کا پردہ ڈال دیا ہے۔'' پھر اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے آگے ملک کے عظیم المرتبت بزرگ منذر بن سعید کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی پروقار آواز شاہی محل کی چھت سے ٹکرانے لگی ہے۔

''اے امیر عبداللہ عبدالرحمٰن الناصر! یہ سوچ ہے کہ تم نے یورپ کی عیسائی اقوام پر اپنی ظاہری شان وشوکت سے کافی رعب ڈالا ہے اور اب تم اپنے کروفر میں چار چاند لگانے کے لئے ایک رفیع الشان شہر مدینۃ الزہرا تعمیر کرنا چاہتے ہو۔ لیکن سن لو اے اموی حکمران! کہ لیل ونہار کی چند گردشوں کے بعد سونے اور جواہری میں ڈوبا ہوا یہ شہر ایک خوفناک کھنڈر میں تبدیل ہوجائے گا۔ اے امیر! تم اس بات کو نہ بھولو کہ تم اس سرائے فانی میں چند لمحوں کے مہمان ہو۔ اس عارضی قیام گاہ کی آرائش وزیبائش کی خاطر اپنی زندگی کی ساری توانائیوں کی جھونک دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ آخرت کی جن منزلوں میں تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہے، وہاں کے لئے تم نے کیا کیا؟ کتنی راتوں کی نیند تم نے اس فکر میں گنوادی؟ کتنے دنوں کا آرام تم نے تج دیا؟'' اور پھر محل کی بلند وبالا دیواروں سے ٹکرانے والی یہ آواز دھیرے دھیرے ڈوبتی چلی گئی۔

امیر عبدالرحمٰن کا دل بھی ڈوبتا چلا گیا۔ بے ساختہ طور پر اس کے ساتھ اٹھ گئے اور وہ گڑگڑا کر دُعا مانگنے لگا ''پروردگار عالم! میں عجیب الجھن میں گرفتار ہوں مجھے راہ ہدایت پر چلا۔'' اس کی پیہم ہچکیوں نے قریب ہی سوئے ہوئے اس کے بیٹے حکم کو بیدار کردیا ''حضور ابا''! حکم آنکھیں ملتا ہوا اپنے باپ کے قریب آیا اور کہا ''آپ کی آنکھیں اور آنسو..... ہونہ ہو کوئی غیر معمولی بات ہے۔'' خلیفہ نے فوراً اپنی آنکھیں پونچھ لیں اور درد بھرے لہجہ میں بولا ''ہاں! منذر نے ہماری توہین کی ہے۔ جامع مسجد میں ہمارے خلاف ایک تقریر کی ہے!'' حکم غصہ سے کپکپا اٹھا۔ وہ جوش میں بول رہا تھا۔ ''اس کی یہ مجال میں اسے قتل!''

''خاموش، خلیفہ گرج اٹھا'' زبان درازی نہ کر، منذر میری بھلائی ہی چاہتے ہیں۔ میرا ضمیر ان باتوں سے مطمئن ہے لیکن نفس سرکشی کررہا ہے، پھر ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد وہ کہنے لگا صاحبزادے، ہمارا تو یہ فیصلہ کرنے کو جی چاہتا ہے کہ رشک فردوس مدینۃ الزہرا کو مسمار کردیا جائے!''

''ابا جان!'' حکم کہہ رہا تھا ''حضور نے ۳۵ سال سے سالانہ تین لاکھ دینار کے حساب سے کیا اسی لئے خرچ کئے تھے کہ اُسے آج کے دن توڑ پھوڑ دیا جائے۔ کیا جہاں پناہ نے بے حساب سونا، بار برداری پر اسی لئے صرف فرمایا تھا کہ مدینۃ الزہرا کی ایک دن اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ عیسائی حکمرانوں نے اس حسین شہر کے لئے خوبصورت منقش اور مزین حوض روانہ کئے تھے، قسطنطنیہ جیسے دور دراز شہر سے ایک عجیب وغریب مجسموں والا حوض آیا تھا۔ شیر، گھڑیال، عقاب، اژدھے اور ہاتھی کے مجسمے کیا آپ نے اسی لئے نصب کرائے تھے کہ ان کو چشم زدن میں تباہ کردیا جائے۔''

''ہاں بیٹا! مجھے وہ سب یاد ہے، افریقہ سے ایک ہزار تیرہ خوبصورت، نظر فریب اور مضبوط ستون منگوانے میں مجھے کتنی محنت کرنی پڑی۔ میرا دل ہی خوب جانتا ہے۔ اس شہر میں ایک مسجد بھی تو ہم نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے بنائی ہے!!''

اور ابا حضور! حکم نے یاد دلاتے ہوئے کہا ''مسجد کے قریب وضو کے لئے جو نہر بنائی گئی تھی اس میں تو میں نے اپنا کافی وقت لگایا ہے۔ سونے کے بنے ہوئے شیر کے مجسمے کی تنصیب میں ماہرین فن نے اپنی ساری ذہانت صرف کردی ہے۔ دور سے مجسمے کو دیکھئے تو یوں معلوم ہوگا کہ شیر اپنے منہ میں پانی لے کر تیزی سے حوض میں کلی کررہا ہے۔ اتنے قیمتی اثاثے، اتنی عالی شان مسجد کو، اور دیر میں اکثر درباریوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہوگئیں، امیر عبدالرحمٰن کا دل لرز اٹھا، دربار میں چاروں طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ کبھی کبھی کبھی رونے کی آواز ہچکی میں تبدیل ہوکر بلند ہورہی تھی!

''اے امیر المومنین!'' منذر کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی، میں اپنی رائے دینے سے قبل آپ کو ابوجعفر منصور کا واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں۔ جس نے شہر بغداد بسایا تھا، ایک دفعہ اس نے اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث ابن طاؤس سے کہا کہ وہ کوئی حدیث بیان کریں، ابن طاؤس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان کے پیچھے جلادوں کی ننگی تلواریں چمک رہی ہیں۔ انہوں نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ زمین کے مشرق ومغرب کی دسعتوں اور خزانوں کو تمہارے قدموں کے نیچے ڈال دے گا۔ لیکن اس زمانے کے حکمران جہنم میں ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈر کام کریں گے اور امانت میں خیانت نہیں کریں گے!'' یہ حدیث سنا کر منصور کو نصیحت کرتے ہوئے ابن طاؤس نے کہا کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ معاملات میں اللہ رب العزت سے ڈرتا رہے۔ حاضرین دربار کو اب یقین ہوچکا تھا کہ پل بھر میں جلادوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ سچ بولنے والے ابن طاؤس کا سر قلم کردیں۔ لیکن منصور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے کسی قدر توقف کے بعد کہا ابن طاؤس کچھ اور سنا ''ابن طاؤس نے اسی متانت سے کہا'' خلیفہ منصور سنو! اللہ رب العزت کا ارشاد سنو، مجھ کو اور اس شخص کو اپنے اپنے حال پر رہنے دو جس کو میں نے اکیلے پیدا کیا اور اس کو کثرت سے مال دیا۔ اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کردیا۔ پھر بھی وہ اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اس کو اور زیادہ دوں ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے عنقریب اس کے مرنے کے بعد اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (مدثر) اس کے بعد ابن طاؤس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ''یہاں آیات الٰہی کا اشارہ ولید بن مغیرہ کی طرف ہے لیکن اس کا عموم ہر اس شخص کی طرف جاسکتا ہے جو اللہ کی نعمت کی ناشکری کرے اللہ کے سامنے کبر اور سرکشی کا مظاہرہ کرے اور اپنے مال کو ناجائز طریقے پر خرچ کرے!!''

یہاں پہنچ کر منذر بن سعید نے کہا ''اے امیر الناصر، میں آپ کا ہمیشہ سے خیر خواہ رہا ہوں مجھے اس بات کا وہم وگمان نہ تھا کہ آپ اتنی جلدی شیطان کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔ آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں لیکن افسوس کہ آپ اب کفر کے مقام کے قریب پہنچتے چلے جارہے ہیں۔'' امیر عبدالرحمٰن کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے گال پر طمانچہ جڑ دیا ہو۔ اس نے گرج کر کہا ''منذر ذرا سنبھل کر بات کرو تم آخر کس طرح ثابت کرو گے کہ میں مقام کفر کے قریب پہنچ گیا ہوں'' منذر نے بادشاہ کے غصہ کی پروانہ کرتے ہوئے کہا ''میں ہمیشہ سنبھل کر گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ آپ تفصیل سننا چاہتے ہیں تو سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے'' اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہوجائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں کہ ان کے گھروں کی چھتیں سونے چاندی کی بنادیتے اور سیڑھیاں جن پر چڑھتے اُترتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور خوب زینت اور آرائش کردیتے اور یہ سب دنیا کی زندگانی کا تھوڑا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار کے یہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔'' (سورۂ زخرف) منذر بن سعید کی آواز پروقار تھی۔ وہ کہے جارہے تھے ''اے امیر! ذرا غور فرمایئے! سوچئے کہ سونے کی یہ جگمگاتی ہوئی چھتیں، بلور کے یہ عکس آفریں زینے، زینت وآرائش پر کروڑوں دیناروں کا یہ خرچ! یہ سب آخر کیا ہیں؟ کیا یہ فضول خرچی اور اسراف میں داخل نہیں ہیں؟ کیا یہ سب شیطان کی لگائی ہوئی آگ نہیں ہے؟ مجھے بتایئے اے امیر المومنین! کہ اللہ رب العزت ان مجسموں سے خوش ہوگا جو آپ نے اپنے حوضوں کے اطراف نصب کئے ہیں۔ آپ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو کیوں بھولتے ہیں کہ مجسمے بنانا اور بت بنانا ایک ناجائز کام ہے۔ یاد رکھئے اے امیر!! یہ دنیا بڑی بے وفا ہے ایک دن ہمیں اس جہان فانی سے کوچ کرنا ہے۔ زندگی کی رنگینیوں سے آدمی بہت جلد دھوکا کھاجاتا ہے۔ آپ کی پچھلی زندگی شاندار کارناموں کا لاثانی مجموعہ ہے۔ آپ نے کفر وشرک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ آپ نے ہر محاذ پر دشمنان اسلام کے دانت کھٹے کردیئے تھے۔ اب زندگی کے آخری لمحات میں ایسا سامان ساتھ نہ رکھئے کہ جس سے خدا ناراض ہو اور گزشتہ کی پاکیزہ زندگی بے وقعت ہوجائے!''

منذر کی تقریر بڑی اثر آفریں تھی۔ ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا تھا۔ امیر الناصر کا دل دھیرے دھیرے نرم ہوتا جارہا تھا۔ آنسوؤں کے گرم قطرے اس کی آنکھوں سے اُبل پڑے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا ''منذر بن سعید! تم اللہ کے ایک سچے اور برگزیدہ بندے ہو۔ تمہاری بے لاگ گفتگو کی میں دل میں قدر کرتا ہوں! تم تاریکیوں میں جگمگانے والے ایک روشن چراغ ہو۔ تم روشنی کا ایک بلند مینار ہو جس سے نکلنے والی شعاعیں انسانیت کو راہ راست دکھاتی ہیں۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں تمہاری رہنمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں!!''

دربار برخواست ہوا تو امام منذر گھر پہنچے۔ دیکھا کہ لوگ کھڑے ہیں۔ امام نے مسکراتے ہوئے کہا ''مجھے زندہ دیکھ کر غالباً آپ سبھوں کو حیرت ہورہی ہوگی لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے کہ حق بات، بادشاہوں، حکمرانوں اور صاحبان قوت واقتدار کے سامنے واضح طور پر کہی جائے! میں تو آج یہ سوچ کر گیا تھا کہ آج میرے جسم سے خون کے چھینٹے اڑ کر شاہی فرش کو سرخ جوڑے میں ملبوس کردیں گے۔ لیکن اللہ کی کبریائی اور اس کی کارسازی سب سے اعلیٰ ہوتی ہے!!'' ابھی ان کا سلسلہ کلام جاری ہی تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک سپاہی تیز تیز ان کی طرف تیر کی طرح چلا آرہا ہے۔ تمام لوگوں کا ماتھا ٹھنکا، امام منذر نے بھی اپنی گفتگو کو روک دیا۔ جب وہ سپاہی قریب آیا تو انہوں نے کہا ''اوہ! امیر عبدالرحمٰن پر غالباً شیطان کا جادو پھر چل گیا اور غالباً تم میری گرفتاری کا حکم نامہ لے کر آئے ہو میں تو کب سے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی تمنا لئے پھر رہا تھا، چلو میں ابھی چلتا ہوں، تمہارے ہمراہ،!!''

سارے لوگ دم بخود کھڑے تھے!!

سپاہی نے ذرا دم لیا اور کہا! ''نہیں حضور! یہ بات نہیں!'' حاضرین کے چہرے رنگ بدلنے لگے ''میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں!'' سپاہی بول رہا تھا ''بادشاہ سلامت نے محل کے گنبد مسمار کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کو نکال کر معمولی اشیاء لگانے کا فرمان جاری کردیا ہے اور محل کے سارے مجسمے بڑی سرعت سے توڑ دیئے جارہے ہیں!!''

سپاہی کہتا جارہا تھا اور امام منذر بن سعید کا سر رب کائنات کے آگے جھکتا جارہا تھا، ان کی آنکھوں سے آنسو چھل آئے اور بے ساختہ پکار اٹھے ''اے بحر کرم کے مالک، امیر عبدالرحمٰن کی لغزشوں کو معاف کردے!

●●

حج کی تیاری کیسے کریں؟

محمد اختر عادل گیلانی، عالم گنج، اگروال ٹولہ، پٹنہ

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یہ شرط استطاعت کے ساتھ مسلمانوں پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس کے گھر (خانہ کعبہ) تک پہنچنے کی استطاعت (مالی وجسمانی) رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے اور جو شخص اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

(آل عمران:۹۷)

احادیث میں حج کی فرضیت اور اہمیت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔'' (بخاری ومسلم) انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنی چاہئے کیونکہ کبھی آدمی بیمار ہوجاتا ہے۔، سواری کا بندوبست نہیں ہوسکتا یا کوئی دوسری رکاوٹ آجاتی ہے۔'' (ابن ماجہ انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ فریضہ حج ادا کرنے کے لئے جلدی کرو کیونکہ کس کو معلوم نہیں کہ اسے کیا عذر پیش آجائے۔ (احمد)

حضرت عبدالرحمٰن بن سابطؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ''جو شخص حج کے بغیر مرگیا حالانکہ اس کے راستے میں ''نہ کوئی مرض'' نہ کوئی ظالم حکمراں اور نہ کوئی واضح ضروریات حائل ہوں، تو وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر جس طرح چاہے مرے۔'' (سنن سعیدؒ)

حج کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جن چاہے تو کیجئے نہ جی چاہے تو ٹال دیجئے۔ بلکہ یہ فرض ہے کہ جو مسلمان بھی خانہ کعبہ تک جانے آنے کی مالی وجسمانی استطاعت رکھتا ہو، میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا ہے، خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی، کاروبار کی یا ملازمت کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔

حج کی فرضیت اس کی اہمیت اور اس کے ہر وقت ادا نہ کرنے پر سخت وعید کے پیش نظر جلد از جلد حج کی ادائیگی کرنی چاہئے۔ بچیوں کی شادی، بچوں کے سیٹ ہوجانے، مکان بن جانے، ملازمت سے سبکدوش ہوجانے کا انتظار نہ کریں، یہ سب شرعی عذر نہیں ہیں۔ جو لوگ مالی اور جسمانی استطاعت کے باوجود اس قسم کے بہانے بنا کر سال پر سال حج کو ٹالتے رہتے ہیں انہیں اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہئے بلکہ ایمان کی خیر منانی چاہئے۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ صاحب استطاعت پر حج اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ اور زکوٰۃ فرض ہے۔

جو خوش نصیب اس مرتبہ حج (۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) کی نیت اور ارادہ رکھتے ہیں ان کے لئے درج ذیل باتوں کا اہتمام اور خیال رکھنا اور ان پر عمل کرنا ان کے حج کی قبولیت کے لئے نہایت ضروری بلکہ لازم ہے:

(۱) نیت اور ارادہ: حج کی نیت میں یہ بات شامل ہونی چاہئے کہ حج کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اس کی خوشنودی اور تقویٰ ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''حج اور عمرہ کو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کرو۔'' (البقرہ:۱۹۶) اور سفر حج کے لئے زاد راہ ساتھ لو اور سب سے بہتر زادہ راہ خدا کا تقویٰ ہے'' (البقرہ:۱۹۷) ایک مومن کے ہر عمل کا مقصد اور مطلوب اللہ کی رضا، قرب اور فلاح آخرت ہوتا ہے اور اس کی دعا یہ ہوتی ہے'' خدایا ہمیں اس دنیا کی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (البقرہ:۲۰۱) حج کی نیت کے ساتھ ہی اس بات کا عہد کریں کہ بقیہ زندگی اللہ کے احکام اور رسول اللہؐ کی سنت کے طریقے پر گزاریں گے۔ حج کے بعد آپ کی زندگی قرآن مجید کے اس آیت کی سچی تصویر اور جیتا جاگتا نمونہ بن جائے۔ (ترجمہ) ''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔'' (الانعام:۱۶۲)

(۲) حلال روزی کا اہتمام: یاد رکھیں! حرام کمائی سے پلنے والے جسم کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اللہ کی راہ میں حلال مال خرچ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ صرف وہی مال اور اعمال قبول فرماتے ہیں جو پاک اور حلال روزی سے کیا جائے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے ''حرام کمائی سے جو بدن پلا ہے وہ جہنم کے ہی لائق ہے۔'' (بخاری) ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔'' (مسلم)

اس لئے ہر طرح کے ناجائز اور حرام مال جیسے سود، رشوت، دھوکہ اور ظلم وزیادتی کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے مال کا نہ صرف حج کے لئے بلکہ ہمیشہ اور زندگی کے ہر شعبے میں خاص خیال رکھیں اور حلال رزق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی ایک مومن کی شان اور پہچان ہے۔

آپ نے حج کے لئے رزق حلال کا بندوبست کرلیا ہے اور اس مرتبہ حج کی ادائیگی کا مصمم ارادہ بھی کرلیا ہے، تو اس کی تیاری بھی شروع کردیں اور درج باتوں پر صدق دل سے عمل کرنے کی کوشش کریں۔

(۱) نیت اور ارادہ میں خلوص اور للّٰہیت کا جذبہ پیدا کریں کیونکہ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ آدمی جو نیت کرتا ہے وہی پاتا۔''

(بخاری ومسلم)

(۲) حج کی نیت کے ساتھ ہی عازمین حج پر خوف خدا پرہیزگاری، توبہ واستغفار اور نیک اخلاق کے اثرات نمایاں ہونے چاہئیں۔

(۳) شہرت، نام ونمود اور دکھاوے سے حتی الوسع پرہیز کریں۔

(۴) گزشتہ تمام گناہوں سے صدق دل سے توبہ کریں، خاص کر تمام طرح کے مشترکانہ عقائد واعمال سے سچی توبہ کرلیں۔

(۵) حقوق العباد کی ادائے گی: اگر کسی رشتہ دار، دوسرے حقدار یا عام لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی لاپرواہی یا کمی رہ گئی ہے تو اس کی تلافی کریں۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس کا جو حق ہے اسے وہ دے دیا جائے۔ جس کو جو تکلیف اور اذیت پہنچائی ہے اس سے معافی مانگ لیں اور خود بھی معاف کردیں۔

(۶) فحش اور فضول گفتگو، شکوہ شکایت، غیبت، چغل خوری، حسد، جلن، کینہ، دوسروں کا مذاق اُڑانے اور طعن وتشنیع کرنے سے بچنے کی کوشش کریں بلکہ اپنے اندر ہمدردی، ایثار وقربانی، خدمت خلق اور خوش اخلاقی کی عادت ڈالیں اور جذبہ پیدا کریں۔

(۷) سگریٹ، بیڑی، کھینی، پان مسالہ، گٹکا اور دوسری نشہ آور چیزوں کی عادت ہے تو اس پر قابو پانے کی کوشش کریں۔

(۸) حج کے لئے فارم بھرنے کے بعد ہی قرآن وحدیث، سیرت رسول پاکؐ، صحابہؓ وصحابیاتؓ، اسلامی تاریخ اور ضروری شرعی مسائل کا مطالعہ اور جانکاری ضرور حاصل کرلیں، ساتھ ہی کوشش کریں کہ حج کے موقع کی مسنون دعائیں یاد ہوجائیں۔

(۹) جو لوگ حج بیت اللہ سے فارغ ہوچکے ہیں ان میں جانکار، دینی شعور رکھنے والے بھی خواہ باعمل اور صالح دوستوں اور بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اپنی تربیت کریں۔

(۱۰) حج کے سفر میں سامان کم سے کم اور ضرورت بھر ہو تو بہتر ہے۔ حج کے دوران آرام وآسائش کا بہتر انتظام اور سہولیات کی فکر اور تلاش کرنے پر زیادہ توجہ نہ دیں۔ یاد رکھیں! حج مشقت کا نام ہے اور تکلیف، پریشانی، مصیبت پر صبر کے مطابق ہی حج کا اجر وثواب ملتا ہے۔ ویسے بھی سب سے بہتر زاد راہ (سامان سفر) اللہ کا تقویٰ ہے۔

جن حضرات نے حج کے لئے رجسٹریشن فارم بھرا ہے وہ آج ہی سے متذکرہ باتوں پر عمل کرنے کی کوشش، تیاری اور پریکٹس شروع کردیں تاکہ بارگاہ خداوندی میں حج مقبول ہوسکے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے اور جس طرح نماز روزانہ پانچ وقت روز، روزے ہر سال رمضان کے پورے مہینہ کے فرض ہیں۔ ہر سال زکوٰۃ بھی فرض ہے ایک فرض ادا کریں دوسرے پر کوئی توجہ نہ دیں تو جو فرض ادا نہیں کیا گیا وہ ہر حال میں اپنے تو جہ باقی رہے گا۔ اس کے بارے میں جواب دینا پڑے گا کچھ لوگ کئی کئی بار حج کرتے ہیں جب کہ ایک بار فرض کی ادائیگی کے بعد وہ نفل ہوتا ہے اور زکوٰۃ کا کوئی خیال نہیں رکھتے حج نفل کا تو ثواب مل جائے گا۔ مگر فرض زکوٰۃ ذمہ باقی رہے گا۔

●●

بقیہ: سیاست میں اخلاقی گراوٹ کی ذمہ داری پارٹی سسٹم پر ہے

بڑی پارٹیوں کو من مانی کرنے کا موقع ملتا ہے اور سیاسی اقلیتیں بے بس ولاچار رہتی ہیں۔ اس کی جگہ پارٹیوں کی متناسب نمائندگی والا لسٹ سسٹم نافذ ہونا چاہئے۔ اس کے تحت:

(۱) ہر پارٹی جو اپنے حمایتیوں کی مطلوبہ کم سے کم تعداد کی بنیاد پر الیکشن کمیشن کے ذریعے تسلیم شدہ ہے اپنے مینی فیسٹو کا اعلان کرے۔

(۲) ووٹر کسی مخصوص امیدوار کو انفرادی طور پر ووٹ نہ دے کر اپنی پسند کی پارٹی کو ووٹ دیں۔

(۳) پارلیمنٹ کی مقررہ نشستوں کی تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر پارٹی الیکشن سے قبل اپنے امیدواروں کی فہرست کا اعلان کرے جن کے قانون کے مطابق بے داغ ہونے کی گارنٹی پارٹی قبول کرے اور داغی ممبروں کو الیکشن سے پہلے ہی پارٹی کی دی ہوئی لسٹ میں سے خارج کرنے کا اختیار الیکشن کمیشن کو ہو۔

(۴) پورا ملک ایک حلقۂ انتخاب قرار پائے۔

(۵) ہر پارٹی کو پورے ملک میں مجموعی طور پر ملنے والے ووٹوں کے تناسب سے پارلیمنٹ میں اس کے ممبروں کی تعداد کا تعین ہو اور فہرست میں سلسلہ وار رتبہ کی اہمیت اور درجے کے اعتبار سے اوپر سے نیچے کی طرف مطلوبہ حقدار ممبروں کو منتخب سمجھا جائے۔

(۶) اس طرح ووٹوں کے ضائع ہونے کے امکانات ختم ہوجائیں گے۔ منتخب ممبر ملک میں موجود ہر طبقہ، فکر ونظر اور آرزو کی نمائندگی کرنے والے ہوں گے۔ کوئی بھی قابل لحاظ اکثریت رکھنے والا طبقہ یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اسے پارلیمنٹ میں نمائندگی نہیں مل سکی۔ ساتھ ہی سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ووٹروں کا یہ اطمینان قلب ملک کی خدمت کے لئے پرجوش جذبے میں تبدیل ہوسکے گا نیز عوام میں سیاسی لیڈروں سے متعلق بیزاری دور ہوسکے گی۔

(۷) پارلیمنٹ کے اندر سب ہی پارٹیاں اپنی افادیت ثابت کرنے کیلئے ایک پنج سالہ متفقہ پروگرام تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔

(۸) پارلیمنٹ کا بنیادی فرض اور ذمہ داری ملک کے لئے مفید قانونوں کی تشکیل کے لئے متفقہ مقاصد والے ریزولیوشن اکثریت سے منظور کرنا اور انہیں انتظامیہ کمیٹی کے ذریعے نافذ کئے جانے پر مجبور کرنا ہوگا۔

(۹) انتظامیہ کمیٹی (کابینہ) ایک تکثیری انتظامیہ ہوگی جس کی تشکیل پارلیمنٹ کے ذریعے ہی ایک غیر سیاسی یا کثیر جماعتی انتظامیہ کے طور پر ہو اور جس میں وزیر اعظم جیسا عہدہ سرے سے غائب ہو۔ کابینہ کا ہر ممبر اپنی انفرادی انتظامی لیاقت، مہارت اور تجربے کی بنیاد پر منتخب ہو نہ کہ پارٹی وفاداری کی بنیاد پر۔ کابینہ کو وسیع انتظامی اختیارات کے ساتھ خود اپنی صوابدید پر نیز پارلیمنٹ سے منظور شدہ ہدایتی ریزولیوشنوں کی تعمیل کے طور پر قانونوں کے مسودے پارلیمنٹ سے منظور کروانا انتظامیہ کے فرائض میں داخل ہو۔ انتظامیہ کا ہر ممبر انفرادی طور پر اپنے محکمے وشعبے کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے مکمل طور پر جوابدہ ہو یعنی وہ پارلیمنٹ کا ماتحت متصور ہو لیکن سوائے صریحی بدعنوانی یا نااہلی ثابت ہونے کے پارلیمنٹ انتظامیہ کے کسی ممبر کو ہٹا نہ سکے۔

(۱۰) کابینہ مجموعی طور پر یا مخلوط جوابدہی کے اصول کے بجائے انفرادی جوابدہی کے اصول پر کام کرے گی اور اس کا مقصود کسی مخصوص پارٹی کی تابعداری کے بجائے پارلیمنٹ سے منظور مشترکہ پروگرام کا نفاذ ہو۔

ممبران پارلیمنٹ کے انتخاب نیز بغیر وزیر اعظم کے ایک تکثیری انتظامیہ کی تشکیل سے متعلق مجوزہ بالا تعمیری ڈھانچہ کا خاکہ نہ صرف انتخابات اور تشکیل شدہ حکومت کو سیاسی بدعنوانیوں سے بڑی حد تک دور نیز زیادہ کارگر بنانے میں مددگار ثابت ہوگا اسے عوام کا زیادہ اعتماد بھی حاصل ہوسکے گا۔

لیکن اتنا کافی نہ ہوگا۔ سیاسی حلقوں میں اخلاقی گراوٹ پر قابو پانے کے لئے نیز جمہوری اقدار کو فروغ دینے کی غرض سے ایک ایسے جامع قانون کی تشکیل بھی لازمی ہے جس کے ذریعے سیاسی پارٹیوں کو خالصتاً خدمت خلق پر مبنی کارکردگی پر مجبور کیا جاسکے۔ قانونی طور پر ہر پارٹی کے لئے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ ان کی تشکیل شخصی مفادات کے تحت نہ ہو کر ان کی تنظیم کو لازمی طور پر جمہوری بنایا جاسکے۔ ہر ممبر کی علمی لیاقت، واجبی ٹریننگ اور قابل لحاظ تجربے کی بنیاد ہر پارٹی کے اندر درجاتی ترقی ممکن ہو۔ دولت نیز طاقت کے مجرمانہ استعمال کی قانونی طور پر روک تھام ہوسکے۔ ہر پارٹی انتخابی فہرست میں شامل اپنے ہر ممبر کے بے داغ کردار کی ضامن ہو اور غلط بیانی الیکشن کمیشن کے سامنے ثابت ہونے پر عدالتی چارہ جوئی اور الیکشن میں شرکت کے اختیار سے محرومی پر منتج ہو۔

●●

POSTED ON 23 May 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۲۵ مئی ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

احوال وکوائف

نئی دہلی میں ایک مضبوط حکومت کی تشکیل

شفیق الرحمن

پندرہویں لوک سبھا کے لئے ہونے والے عام انتخاب میں کانگریس اور اس کی اتحادی جماعتوں کو جو غیر معمولی اور غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا راز کیا ہے، یہ جاننے اور اس پر سے پردہ اٹھانے کی کوششیں ہورہی ہیں، اس فن اور شوق سے دلچسپی رکھنے والے اور اس پیشے سے منسلک افراد اپنے اپنے ذوق، مزاج اور صلاحیت کے اعتبار سے اس راز کو کھولنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یوں تو بتانے والے اس کے مختلف اسباب بیان کررہے ہیں مگر ابھر کر جو بات سامنے آرہی ہے اور اب جس پر بربنائے مصلحت زور بھی دیا جانے لگا ہے وہ یہ ہے کہ عوام مرکز میں ایک مضبوط حکومت دیکھنا چاہتے تھے۔ عوام کی یہ خواہش تھی کہ ملک جس راستے پر جارہا ہے، وہ اسی پر گامزن رہے۔ اس لئے کہ پیچھے مڑنے اور واپس لوٹنے میں ملک اور باشندگان کا گھاٹا ہے، لہٰذا پالیسی کا تسلسل جاری رہنا چاہئے، اس کے لئے جہاں یہ ضروری تھا کہ مرکز میں وہی سرکار بنے جو پہلے تھی وہیں یہ بھی ضروری تھا کہ اسے یکسوئی حاصل ہو، وہ کمزور نہ ہوتا کہ فیصلے کرنے اور فیصلوں کو روبہ عمل لانے میں اسے کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس فکر کے حامل افراد یہ کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ مضبوط حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بڑے مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ بالفاظ دیگر وہ اس تاریخی حقیقت کو باور کرانے کی کوشش بھی کررہے تھے کہ مرکز کا کمزور ہونا ملک کی سلامتی کے لئے بھی خطرہ ثابت ہوا ہے۔ اس نے ہمیشہ بیرونی عناصر کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہے۔ اس لئے مرکز کا مضبوط ہونا ازحد ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ملک کی سلامتی اگر عزیز ہے تو مرکز میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت کی تشکیل ضروری ہے۔ اسی طرح اس کے جغرافیے کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ عوام کی یہی خواہش یوپی اے کی اس غیر معمولی کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ عوام نے مخلوط حکومت کا تجربہ کرکے دیکھ لیا۔ ان مخلوط حکومتوں نے ملک کو کمزور کیا، اس لئے کہا یہ جارہا ہے کہ یوپی اے کی یہ جیت ایک خوش آئند امر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس پر خوشی کا اظہار کیا جارہا ہے۔

اطلاعات یہ ہیں کہ یوپی اے کی اس کامیابی پر واشنگٹن میں بھی چین کا سانس لیا گیا، وہاں بھی اس کو ایک امید افزا تبدیلی قرار دیا گیا، اس لئے کہ ہندوستان کی سیاسی بے یقینی واشنگٹن کے لئے بھی تشویش کا سبب بن گئی تھی۔ انتخابی نتائج کے سلسلے میں جو جائزے پیش کئے جارہے تھے اس سے واشنگٹن کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ کہا یہ جارہا تھا کہ واشنگٹن بھی نئی دہلی میں ایک مضبوط حکومت دیکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ واشنگٹن کی یہ خواہش تھی اور ہے کہ ہندوستان اور امریکہ نے دوستی کی جس نئی راہ کا انتخاب کیا ہے اور جس پر قدم رکھ دیا ہے، اس پر وہ گامزن رہیں۔ اس کی ضمانت اسی صورت میں دی جاسکتی تھی جب نئی دہلی میں نہ صرف یہ کہ ایک مضبوط حکومت قائم ہو بلکہ وہی عناصر دوبارہ برسر اقتدار آئیں جنھوں نے پیمان وفا باندھا ہے اور ان کے ہاتھ پہلے سے زیادہ مضبوط ہوں۔ اس لئے سیاسی غیر یقینی نے واشنگٹن میں بھی تشویش کی لہر دوڑادی تھی اور واشنگٹن کی نظریں بھی انتخابی نتائج پر لگی ہوئی تھیں۔ واشنگٹن کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ یوپی اے کی حکومت کے ساتھ اس نے جو غیر فوجی جوہری معاہدہ کیا تھا کہیں اس کا مستقبل تاریک نہ ہوجائے، لہٰذا اس کی شدید خواہش تھی کہ نئی دہلی میں ایک ایسی مضبوط حکومت بنے جو اس نقشے میں رنگ بھرنے کا کام کرے، واشنگٹن نے اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی بھی کوشش کی، لہٰذا امریکی ناظم الامور مقیم دہلی نے اس کے لئے ماحول بنانے کا کام بھی کیا۔ جب نتائج سامنے آئے تو امریکی صدر بارک حسین اوباما نے بھی اس پر اطمینان کا اظہار کیا اور مبارکباد کا پیغام بھیجا، ساتھ ہی امریکی حکومت کی اس خواہش کا اعادہ بھی کیا کہ نئی دہلی حکومت ہند۔ امریکہ دوستی کو مزید مستحکم بنائے گی اور دونوں ملکوں کے مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لئے مسلسل جدوجہد کرتی رہے گی۔ یہ بھی خبر ہے کہ واشنگٹن میں ہند۔ امریکہ غیر فوجی جوہری معاہدے کے مخالفین کی کمر ٹوٹ جانے پر بھی شادیانے بجائے جارہے ہیں۔

●●

جنوبی ہند میں بی جے پی کے وجود کو خطرہ

نئی دہلی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) لوک سبھا انتخابات میں آندھرا پردیش، کیرالہ اور تمل ناڈو میں اس بار کھاتا بھی نہیں کھول سکی جبکہ اڑیسہ، ہریانہ، دہلی، اتراکھنڈ اور اروناچل پردیش میں اس کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ مجموعی طور پر بی جے پی کو اس الیکشن میں ۲۲ سیٹوں کے نقصان کے ساتھ ۱۱۶ سیٹیں ملی ہیں جبکہ ۲۰۰۴ء کے الیکشن میں اسے ۱۳۸ سیٹیں ملی تھیں۔ پارٹی اس بار بائیں بازو کے گڑھ مغربی بنگال میں ایک سیٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہی اور انڈومان نکوبار، دادر نگر حویلیا ور دمن دیپ میں بھی اسے ایک ایک سیٹ ملی ہے جہاں گزشتہ انتخابات میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ پارٹی بہار، گجرات، جھارکھنڈ، آسام، ہماچل پردیش اور کرناٹک میں گزشتہ انتخابات کے مقابلے میں اپنی سیٹیں بڑھانے میں کامیاب رہی، لیکن روایتی گڑھ مدھیہ پردیش اور راجستھان میں اس کی سیٹیں غیر متوقع طور پر کم ہوگئیں۔ مہاراشٹر اور پنجاب میں بھی اس کی کارکردگی اچھی نہیں رہی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی نے اس بار سب سے زیادہ سیٹیں راجستھان میں گنوائی ہیں۔ گزشتہ انتخابات میں اسے یہاں ۲۱ سیٹیں ملی تھیں جو اس بار کم ہوکر چار رہ گئیں۔ اسی طرح مدھیہ پردیش میں ۲۰۰۴ء کے الیکشن میں اسے پچیس سیٹیں ملی تھیں جو اس بار کم ہوکر سولہ رہ گئیں۔ مہاراشٹر میں ۲۰۰۴ء کے الیکشن میں اسے تیرہ سیٹیں ملی تھیں جو اس بار کم ہوکر ۹ رہ گئیں۔ اسی طرح پنجاب میں گزشتہ بار اسے تین سیٹیں ملی تھیں جو اب گھٹ کر ایک ہوگئی۔

بی جے پی کو موجودہ انتخابات میں سب سے زیادہ فائدہ جھارکھنڈ میں ہوا ہے۔ گزشتہ انتخابات میں اسے وہاں ایک بھی سیٹ نہیں ملی تھی جبکہ اس بار وہاں اسے آٹھ سیٹیں ملی ہیں۔ بہار میں جنتا دل یونائٹڈ سے اتحاد کرکے انتخاب لڑنے سے بی جے پی فائدے میں رہی۔ بی جے پی کو گزشتہ بار یہاں پانچ سیٹیں ملی تھیں جو اس بار بارہ ہوگئی ہیں۔ بی جے پی کو گجرات میں صرف ایک سیٹ کا فائدہ ہوا ہے۔ اسے گزشتہ بار وہاں سے چودہ لوک سبھا سیٹیں ملی تھیں جبکہ اس بار پندرہ سیٹیں ملی ہیں۔ ہماچل پردیش میں بی جے پی کو اس بار تین سیٹیں ملی ہیں جبکہ ۲۰۰۴ء میں اسے وہاں صرف ایک سیٹ ملی تھی۔ اسی طرح کرناٹک میں بی جے پی ایک سیٹ کا اضافہ کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ گزشتہ بار اسے اٹھارہ نشستیں ملی تھیں جو اس بار بڑھ کر ۱۹ ہوگئی ہیں۔ اس ریاست میں بی جے پی کی حکومت ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام ارتکازِ زر؟

شیخ عبد المجید، جرمنی

ہم اقوام عالم کے درمیان جنگوں اور تصادموں کا تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ اس پس منظر میں معاشی مفادات ہوتے تھے، جن کے حصول کے لئے کبھی مذہب کو استعمال کیا گیا اور کبھی تہذیب کو اور کبھی نسلی برتری کو۔ یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو اس انقلاب سے کولونیل ازم کا اولین مقصد یہ تھا کہ بالخصوص براعظم افریقہ، ہندوستان جیسے ممالک کو اقتصادی طور پر غلام بنانا۔ گویا ان اقدام کا مقصد سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ ہی تھا۔ سرمایہ دارانہ صنعتی ملکوں میں جہاں یہ اشیاء تیار ہوتی ہیں اس کے خریدار کم ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جب ان اشیاء کی مانگ مقامی منڈیوں میں نہیں رہتی تو اس صورت میں نئی منڈیوں کی تلاش میں یہ سرمایہ دارانہ ممالک دوسرے علاقوں میں جاتے ہیں۔ وہاں طاقت وجبر سے منڈیوں کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ اس صنعتی ترقی کے نتیجے میں کولونیل ازم کی بنیاد 'ازم' ابھرا اس کا مقصد یہ تھا کہ ایشیا وافریقہ کے ملکوں پر قبضہ کرکے وہاں اپنی اشیاء کی منڈیاں حاصل کریں اور ان کے خام مال کو حاصل کرکے اپنی صنعت کو فروغ دیں۔

مگر اس کی وجہ سے یورپ کے سرمایہ دار ملکوں میں نئی کالونیاں حاصل کرنے کے سلسلے میں باہمی رقابت اور کشمکش ہوئی جس کے نتیجے میں پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے دنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان عالمی جنگوں کے بعد مغربی ممالک کا اپنے مقبوضہ علاقوں پر تسلط برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔ آہستہ آہستہ ایشیا وافریقہ کے ملک آزاد ہوئے، مگر بالخصوص یورپی سرمایہ دارانہ نظام نے پسماندہ ممالک کو آزادی دینے کے باوجود انہیں اقتصادی اور سیاسی طور پر انہیں غلام بنائے کا فیصلہ کیا۔ یہی صورتحال اس وقت ہے۔ چونکہ ایشیا وافریقہ کے ممالک صنعت وحرفت میں مغربی ملکوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے اس لئے اب آزاد منڈی کے نظریے کو ایک بار پھر دہرایا جارہا ہے تاکہ سرمایہ دار ملکوں کو نئی منڈیاں مل جائیں اور تیسری دنیا کے غیر صنعتی ملک مغربی ملکوں کے لئے فقط خام مال کی پیداوار کا ذریعہ بن کر رہ جائیں۔

تمام مفکرین دانشوروں کا اس پر اتفاق ہے کہ معاشرے میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی بنیادی وجہ دولت کی غلط تقسیم ہے۔ جہاں بھی امیر وغریب کے درمیان غیر معمولی فرق بڑھے گا (جیسا کہ ایشیائی افریقن ممالک میں) وہاں معاشرے میں تشدد بڑھے گا۔ لاطینی امریکہ یا افریقہ یا ساؤتھ ایشیا میں یا پاکستان کو ہی دیکھ لیں۔ یہاں مغربی ممالک اور امریکہ اور مشرقی ملک کے سرمایہ دار صنعت کار، جاگیردار طبقے نے عوام کا بدترین استحصال کیا ہے اور یہاں کے وسائل کو لوٹا ہے اور اپنے مفادات کے لئے یہاں امیر کلاس کو ہر قسم کی بدعنوانیوں کی کھلی اجازت ہے۔ نیشنل کارپوریشنوں نے آزاد منڈی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غریب ملکوں کو مجبور کیا ہے کہ اپنا مال انتہائی سستے داموں ملٹی نیشنلز کو فروخت کریں، دوسری بات یہ بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ عالمی مالیاتی اداروں نے غریب ملکوں میں انہیں اپنی کرنسی کی کم قیمت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس دوہری مار نے جہاں تیسری دنیا کے غریب عوام میں بڑے پیمانے پر بیروزگاری کو فروغ دیا ہے وہاں مقامی حکومتوں کو کنگال بھی کردیا۔ ستم یہ ہے کہ نوسامراجی نظریے کے مطابق ان کنگال حکومتوں کو زندہ رکھنے کے لئے ورلڈ بینک عالمی مالیاتی ادارہ (آئی ایم ایف) محدود قرضے تو دے سکتا ہے مگر یہ حکومتیں اس قرض سے حاصل ہونے والی رقم کو صرف سابقہ قرضوں کی سودی ادائیگی اور اپنے نہایت ضروری انتظامی اخراجات پر صرف کرسکتی ہیں۔ عالمی ادارے کڑی شرائط لگاتے ہیں کہ اس قرضے سے حاصل شدہ رقم بیروزگاری کے خاتمے یا سماجی بہبود وغیرہ پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ الٹا حکومتوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ بجلی پٹرول کے نرخ بڑھا کر اور مزید لگاکر اپنے اخراجات پورے کریں۔ ایسی نوسامراجی پالیسیوں کے نتیجے میں غریب عوام کے حالات میں ابتری پیدا ہونے سے ترقی پذیر معاشرے میں بے ایمانی، سرکاری محکموں میں رشوت اور بینکوں میں غبن کی وارداتیں عام ہیں اور چوری چکاری اور ڈاکہ زنی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ اور ملکی دولت اور عوام کی ملکیت کی لوٹ مار نے پسماندہ ممالک کی اقتصادی معاشی حالت کو تباہی کے کنارے پر لگادیا ہے۔ ان ممالک میں امیر یا صاحب اقتدار کے احتساب کا باقاعدہ کوئی ادارہ ہی نہیں رہا۔ ملک کی دولت کو سیاسی لیڈران اور ان کے منظور نظر سرکاری اہلکار بہت بڑے بڑے تجار اور صنعت کار دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ بیروزگاری میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے، بھوک افلاس نے غریب طبقے کے اکثر لوگوں کو بعض جرائم کی طرف راغب کردیا ہے اور بھوک افلاس کی محرومیوں کا شکار لوگ مختلف قسم کے نشوں کے عادی ہیں اور خودکشیوں میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ ملک میں بڑھتے ہوئے کالا دھن کا سیلاب ہے۔ اور امیر وغریب کا فرق آسمان زمین کی نسبت سے ہے۔ مڈل کلاس جو قوم کی ریڑھ کی ہڈی کہی جاتی ہے وہ ہوشربا مہنگائی سے ختم ہوکے رہ گئی ہے۔ غریب غریب سے غریب تر یعنی افلاس کی انتہائی حدود کو پار کرگیا ہے اور امیر لکھ پتی سے کروڑ پتی، ارب پتی بن گیا ہے۔

پس اسلام کا اقتصادی نظام ہی ہے جو ملک کی دولت کی غلط تقسیم کی راہ کی دیوار ہے اور اس پر عمل پیرا ہوکر ہم سرمایہ دارانہ' سامراجی نظام کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام اس بنیاد پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کی قوتوں اور استعداد کے مطابق سامان بھی پیدا کئے۔ گویا ہر ایک کو قوت دی کہ وہ اپنی استعداد کی صحیح نشوونما کرسکے اور ان کی نشوونما کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے سامان دیئے، مگر دوسری طرف مختلف انسانوں کو مختلف قوت استعداد دے کر ایک تفاوت پیدا کردیا۔ اور یہ تفاوت امتحان کے لئے پیدا کیا۔ اسلام کے نزدیک کسی کا مالدار ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے خوش ہے۔ نہ کسی کا غریب ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہے۔ بلکہ ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے ایک امتحان اور آزمائش میں ڈالا۔ اگر وہ اس پر پورے اترے تو ان کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اور آخری زندگی میں بھی رضائے الٰہی یعنی جنت کے سامان پیدا کردیئے ہیں۔

اسلام نے دولت کے ارتکاز کو چند ہاتھوں میں روکنے کے لئے "زکوٰۃ کا نظام اور قانون وراثت قائم فرمایا۔ وراثت کے قانون کے ذریعے ایک شخص کی وفات کے بعد اس کا ترکہ پسماندگان میں تقسیم ہو۔ ضروری ہے کہ وراثت شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق والدین، ازواج، اولاد، رشتے داروں اور دیگر رشتے داروں میں تقسیم کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے حقوق وراثت سے کسی کو بھی محروم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ کوئی معقول وجہ ہو۔ وجہ کے درست یا غلط ہونے کا فیصلہ کوئی فرد واحد نہیں کرسکتا بلکہ (اسلامی ریاست) عدالت کرے گی۔ اگر کوئی شخص دوسرے کے حق میں وصیت کرنا چاہئے تو وہ اپنی املاک کا زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصہ اپنی مرضی سے دوسرے افراد یا سوسائٹی وغیرہ کو دے سکتا ہے۔ (دیکھیں سورۃ النساء، آیات: ۸ تا ۱۳) اسلامی قانون وراثت میں منقولہ غیر منقولہ دونوں قسم کی جائداد نسلاً بعد نسل تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ صرف تین چار نسلوں میں بڑی بڑی جائدادیں بھی تقسیم کے بعد سکڑ کر رہ جاتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین کی ملکیت بٹ جانے سے ہر قسم کی اجارہ داری ختم ہوجاتی ہے۔ (مگر ہمارے مسلمان خاندان اپنی لڑکیوں کو حق وراثت دینے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارا جاگیردار طبقہ اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے حق وراثت کا قائل نہیں، اسلام کے قانون وراثت بالخصوص اپنی لڑکیوں کو ان کا حق وراثت ان کو دینے کے لئے تیار نہیں، ان میں بعض زمیندار جاگیردار اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے اپنی لڑکی کا نکاح مولوی کے ذریعے قرآن سے پڑھا دیتے ہیں۔ گویا لڑکی کو مستقل طور پر رشتہ ازدواج سے محروم کردیا جاتا ہے)۔

مگر اسلام کے اقتصادی نظام کی برکات سے معاشرہ دائمی طبقاتی تقسیم کا شکار نہیں ہونے پاتا۔ اسی طرح ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے کی ممانعت ہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی کوشش وحکمت عملی یہ ہے کہ امیر اور غریب کے مابین فاصلہ کو کم کیا جائے۔ لیکن دور جدید کی تجارت سود کی لعنت سے پاک نہیں جس سے امیر وغریب کے مابین دنیا میں فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ اسلام غریب کے استحصال کی ہر شکل خواہ وہ ناجائز دولت رشوت کی شکل میں ہو سودی ناجائز ارتکاز دولت کی شکل میں ہو، اسلام نے اس سے روکا ہے۔ قرآن مجید میں شراب نوشی اور سٹہ مارکیٹ کے کاروبار اور ایسی ناجائز کمائی سے بھی روکا ہے۔ الغرض بے بہا جائز ناجائز دولت کے انبار لگانے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔

پس اسلام نے معاشرتی اور اقتصادی امن کو برقرار رکھنے کے لئے ارتکاز دولت کو روکنے کے لئے نجی کاروبار کی حوصلہ افزائی کرکے سود کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے تاکہ دولت کی گردش قائم رہے۔ وراثت کی تقسیم بھی (مال ودولت کی گردش کا ایک ذریعہ ہے) اور جو زکوٰۃ (جو جمع شدہ مال ہر قسم کی جنس زیور جو جبری ٹیکس شریعت نے لاگو کیا ہے یہ بھی دولت کی تقسیم کا ایک بڑا ذریعہ ہے)۔ اس میں غریب اور محروم کا ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ یہی اسلام کے مقرر کردہ اصول ہیں۔ جس کے ساتھ غرباء اور ضرورتمندوں کو صدقات دینے کے تصور کو اسلام نے کس طرح یکسر تبدیل کردیا ہے۔ قرآن کریم نے امیر کے اموال اور قومی اموال میں غریب کا ایک حصہ مقرر فرمادیا تاکہ غریب اور امیر کے مابین دولت کے غیر معمولی فرق اور فاصلے کم کئے جاسکیں۔

سورۃ البقرہ کی آیات ۲۷۶-۲۸۱ میں یہ بھی فرمادیا: "وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو آگ والے ہیں، اس میں لمبے عرصے تک رہنے والے ہیں۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اگر تم فی الواقعہ مومن ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود سے اور سودی کاروبار سے باز نہ آئے) تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو'۔ مذکورہ آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انتباہ کیا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشرے کو ان قوانین قدرت کے ذریعے سزا ملے گی جو اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ ہیں اور ایسا اس وقت ہوگا جب تمام عوامل جن کی بحث ان آیات میں گزر چکی ہے بالآخر انسان کو اقتصادی عدم توازن اور جنگ کی طرف لے جائیں گے۔ اگر تم خدائی ہدایات کو پیش نظر نہ رکھو گے تو اقتصادی طور پر اور قومی ہلاکت کے سامان کروگے۔ (تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زار روس کی سرمایہ دارانہ نظام حکومت کو سزا مل چکی ہے) یعنی روسی امراء یا فرانس کے امراء اور زار روس بادشاہ جیسے سب کا المناک حشر ہوا اور یہی حال موجودہ زمانے کے سرمایہ دارانہ نظام امپریل ازم کے سربراہوں امریکہ، یورپ کا ہوگا۔ امپریل ازم سرمایہ دارانہ نظام کے زوال سے اقتصادی معاشی بدحالی کے اثرات کی لپیٹ میں آج ساری دنیا ہے۔ دنیا میں غربت، مفلسی، تنگ دستی کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے اور جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوجائے گا عوام لوٹ مار اور بغاوت پر اتر آئیں گے تو دنیا کا معاشرتی امن تہہ وبالا ہوکر رہ جائے گا۔ یاد رہے کہ بدنظمی، فساد، جنگیں ہمیشہ غرباء کے استحصال اور ان کے حقوق کو غصب کرنے کے نتیجے میں برپا ہوتی ہیں۔

●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں بزائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

جامعۃ الصّفۃ ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفۃ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کرکے چھٹے سال کا سفر طے کررہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کررہا ہے۔ پانچ سال کی مختصری مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دوسالوں میں ۱۰ اطلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۴ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کرچکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کرسکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکر کی پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ اطلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جاسکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفۃ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دوسالہ کورس شروع کیا جارہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم ازکم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اُردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دوسالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دوسالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلاکر مرتد بنانے کی کوشش کررہے ہیں اور گارہے گا ہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہورہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پارہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دُور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفۃ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جامعۃ الصفۃ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیر خواہان دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاء اللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ -/48,000 روپے ☆تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ **نوٹ**: جامعہ اپنے خیر خواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

سرپرست جامعہ: حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہ، امیر جماعت اسلامی ہند

JAMIA-TUS-SUFFAH
Deshaipet Road, Warangal, A.P. India

ناظم جامعہ: محمد خواجہ عارف الدین

Phone: +91-870-2424576, Cell:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

آدابِ زندگی

عہدِ حاضر کے نامور عالم دین وصاحب طرز مصنف

مولانا محمد یوسف اِصلاحی

کے شایستہ، شگفتہ اور زرنگار قلم سے

کتاب اللہ، اسوۂ رسول اللہ ﷺ اور اسلاف کبار کے زندۂ جاوید آثار کی رہ نمائی میں اسلامی ذوق ومزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی زندگی کو سلیقہ و تہذیب، حسنِ بندگی، طریقِ معاشرت، دعوتِ دین اور احساسِ عبدیت کے نور سے روشن وتابناک کرنے والی، اُردو، ہندی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں مسلسل اور بڑی تعداد میں بار بار چھپنے والی، ہر حلقے اور ہر مکتبِ فکر میں یکساں مقبول اور سیکڑوں مسجدوں میں نمازوں کے بعد پڑھ کر سنائی جانے والی ایک ہر دل عزیز کتاب۔

دوست، احباب اور لڑکیوں کو ان کی شادیوں کے موقعے پر دینے کے لیے ایک خصوصی تحفہ۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ☆ صفحات: ۳۶۶ ☆ قیمت: -/Rs.90

قیمت ڈی لکس ایڈیشن (اُردو) -/Rs.120 ● قیمت ڈی لکس ایڈیشن (انگریزی) -/Rs.150
قیمت عام ایڈیشن (ہندی) -/Rs.110

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652,2694647 (D) Fax : 26947858
E-Mail : mmipublishers@gmail.com Website:www.mmipublishers.net